شہرزاد

صائمہ اکرم

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com

شہزاد

صائمہ اکرم چوہدری

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

پاک سوسائٹی کے تحت شائع ہونے والے ناول "شہزاد" کے حقوق طبع و نقل بحق مصنفہ **(صائمہ اکرم چوہدری)** محفوظ ہیں۔

کسی بھی فرد، ادارے، ڈائجسٹ، ویب سائٹ، ایپلیکیشن اور انٹرنیٹ کسی کے لئے بھی اس کے کسی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹیوی چینل پر ڈرامہ و ڈرامائی تشکیل و ناول کی قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے صائمہ اکرم چوہدری سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com

http://paksociety.com

" مجھے کچھ کہنا ہے "

"شہر زاد۔۔۔۔۔میرا پہلا طویل سلسلے وار ناول!!!"

" جسے میں نے پورا ایک سال سردیوں کی طویل راتوں اور گرمیوں کی تپتی دوپہروں میں بیٹھ کر سوچا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کا پہلا سین میں نے دو سال پہلے لکھا اور پھر فائل طویل عرصے کے لیے بند کر دی۔ میں نے آج تک جتنے ناول لکھے ان کا محرک کوئی نہ کوئی دل دکھاتا جملہ، سانس روکتا لہجہ، اپنی طرف متوجہ کرتا چہرہ یا کوئی تلخ منظر ہی بنا تھا۔۔۔

لیکن۔۔۔۔۔!!!!

شہر زاد میرا ایک ایسا ناول ہے جسے لکھنے کی تحریک مجھے ملکہ کوہسار "مری" شہر کے ایک خوبصورت گھر کو دیکھ کر ملی۔ مال روڈ سے واک کرتے ہوئے کشمیر پوائنٹ کی طرف بڑھتے ہوئے اس گھر نے مجھے اپنی طرف متوجہ کیا۔ مری کی بعض سڑکیں کافی بلندی پر اور اکثر گھر ڈھلوانی سڑک سے گذر کر نیچے ہموار میدانوں میں بنے ہوئے ہوئے ہیں جس وجہ سے سڑک سے گذرنے والے لوگوں کو کم از کم صحن یا لان کے مناظر دیکھنے کے لیے کسی دقت کا سامنا کرنا نہیں پڑتا۔۔ میں بھی چلتے چلتے ایک دم رک کر اس کی چار دیواری پر اپنی کہنیاں جمائے اسے غور سے دیکھنے لگی۔

اچانک دل میں ایک سودا سمایا اور میں اپنی ہی دھن میں کھلے گیٹ سے اس خالی گھر کے اندر داخل ہو گئی اور اس کے سرسبز لان کی سیڑھیوں پر بیٹھ کر میں نے ایک کہانی بنی اور پھر اسے لفظوں کی مالا میں پرونے کا عہد بھی وہیں کیا اور اسکے بعد اس گھر کی تصویر کو محض اپنی یاداشت کے لیے سیل فون کے کیمرے میں محفوظ کر لیا۔

قارئین۔۔۔!!! میں نہیں جانتی، اس گھر کے مکین کون تھے؟ ان کا ماضی، حال یا مستقبل کیا تھا لیکن اینٹوں کی اس بنی عمارت میں بہت سی کہانیاں مجھے اپنے کانوں میں سرگوشیاں کرتی محسوس ہوئیں۔ یہ وہ کہانیاں تھیں جنہیں میرے ذہن نے خود تخلیق کیا۔ ان کا اس کے مکینوں سے کوئی لینا دینا نہیں۔

مجھے پہلی دفعہ احساس ہوا کہ کچی پکی مٹی کی بنی اینٹوں، گارے اور سیمنٹ سے بنی عمارتیں بھی بولتی ہیں۔ وہاں رہنے والوں کے دکھ اور غم ان پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں اور جب مکینوں کے دکھ بولتے ہیں تو یہ گھروں کے در و بام کو وقت سے پہلے بوسیدہ کر دیتے ہیں اور وہاں رہنے والے لوگوں کی خوشیاں در و دیوار کو بھی ہمیشہ جوان اور تر و تازہ رکھتی ہیں۔

اس ناول میں ماضی کے ایک ٹریک کو چھوڑ کر باقی سارے ٹریک فرضی اور میرے اپنے ذہن کی پیداوار ہیں، ان کی کسی بھی واقعے، منظر یا مشاہدے سے مماثلت محض اتفاقیہ ہو گی۔ اس کے لیے میں یا ادارہ قطعاً ذمے دار نہیں۔

میں اس ناول کے ذریعے نہ تو اپنی قابلیت یا گوگل سے لی گئی معلومات کے ذریعے اپنے معصوم قارئین پر کوئی دھاک جمانا چاہوں گی اور نہ ہی میرا مقصد اپنے کرداروں کا شاہانہ قسم کا لائف اسٹائل دیکھا کر کسی کے خود ساختہ احساس کمتری کو پروان چڑھانا ہے۔ کہانیوں کے کردار، کسی بھی معاشی طبقے سے ہو سکتے ہیں۔ آپ ان کے رہن سہن پر غور و فکر کرنے کی بجائے، اس تحریر میں چھپے اصل مقصد کو کھوجنے کی کوشش کیجئے گا۔

آخر میں صرف اتنا کہنا ہے کہ شہر زاد میرا پسندیدہ کردار ہے اور مجھے یقین ہے اس ناول کے اینڈ تک یہ سب کے دلوں میں اپنی جگہ بنا لے گا اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو میں

پیشگی معذرت خواہ ہوں۔۔۔ دعاؤں میں یاد رکھیے گا کیونکہ میرا دعاؤں پر یقین ہے۔"

والسلام

صائمہ اکرم چوہدری۔ اسلام آباد

http://paksociety.com

وہ شہرزاد تھی۔۔۔!!

شہر ستمگر میں پلنے والی۔۔۔

!!!زمستان کی سنہری دھوپ جیسی لڑکی۔۔۔

جس کی دلکش آنکھوں پر جھیل سیف الملوک کا گماں ہوتا۔۔

وہ اس ادا سے چلتی کہ زمانے کی سانس رک جاتی۔۔۔

وہ نگاہ اٹھا کر دیکھتی تو قافلے راستہ بھول جاتے۔۔۔۔

وہ الف لیلہ کی کہانیوں کا طلسماتی کردار نہیں تھی۔۔۔

!!!! لیکن۔۔۔

وہ بولتی تو، وقت کی گردشیں تھم سی جاتیں۔۔

وہ حقیقتوں کی تلخ دھوپ میں پل کر اپنی شناخت کے موسموں کی تلاش میں تھی۔۔۔

اس کے ارادے آہنی، نگاہیں پختہ۔۔۔

وہ اک آتش کم رو تھی۔۔۔

جس کی اسرار میں ڈوبی ہوئی خاموشی میں۔۔۔کئی لمحے سلگتے تھے۔۔۔

!!!اُس کے سینے میں کئی راز پلتے تھے۔۔۔

وہ شہرزاد جس نے داستان ہزار میں کئی کرداروں کو زندگی بخشی اپنے لفظوں سے۔۔

وہ اپنی کہانی میں، خود کو ڈھونڈنے نکلی تو اجنبی راستوں کی مسافر بن گئی۔

!!!وہ شہرزاد، اپنے ہی گھر کا رستہ بھول گئی۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com

اوائل دسمبر کی وہ خنک رات تھی، چاند بھی کہر میں ڈوبا ہوا اونگھ رہا تھا۔ جاڑے کی سردیوں میں ہر چیز اپنے اپنے ٹھکانوں میں دبکی بیٹھی تھی۔ ایسی گھور سمے کی تاریکی میں خیبر میل ٹرین پوری رفتار سے ریل کی پٹڑیوں پر ایسے بھاگ رہی تھی، جیسے کوئی آسیب اسکے تعاقب میں ہو۔

اسی ٹرین کی بزنس کلاس کے ایک کیبن میں موجود دو مکینوں کو تھکن، پریشانی اور خوف نے کسی اژدہے کی مانند اپنے شکنجے میں جکڑ رکھا تھا۔ دونوں میاں بیوی

کی سوجن زدہ سرخ آنکھیں بے خوابی کی غماز تھیں۔

وہ دونوں ایک دوسرے سے نظریں چرائے یوں بیٹھے تھے، جیسے ایک دوسرے کی طرف دیکھنا بھی گناہ کبیرہ ہو۔

چھے لوگوں کے اس کیبن میں اس وقت صرف دو لوگ تھے۔ تین مسافروں کی منزل پچھلا اسٹیشن تھی، ان کے گاڑی سے اترنے کے بعد مرد نے سانس کھینچ کر افسردگی کے اس سحر سے نکلنے کی شعوری کوشش کی اور بوگی کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

کیبن میں موجود واحد کھڑکی کے پاس اسٹینڈ والا میز تھا جس پر ان کا تھرماس، پانی کی بوتل اور بچے کے دودھ کا سامان رکھا ہوا تھا۔ پاس ہی کھانے کا ٹفن تھا جسے ان دونوں میں سے کسی نے بھی کھول کر نہیں دیکھا تھا حالانکہ انہیں سفر کرتے ہوئے کئی گھنٹے گذر چکے تھے۔

انہیں معلوم تھا رات کے اس پہر اب شاید ہی کوئی نیا مسافر اس ڈبے میں داخل ہو۔ لڑکی نے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگاتے ہی آنکھیں بند کیں اور ایک سلگتا ہوا منظر اسکے دماغ کی سلیٹ پر ابھرا۔

"مار دو، ختم کرو، اللہ کا عذاب نازل ہو ان مردود لوگوں پر، قرآن پاک کی بے حرمتی کی ہے انہوں نے۔۔۔" مسجد کے مائیک سے پورے گاؤں میں گونجنے والی مولوی صاحب کی اشتعال انگیز آواز نے معصوم لوگوں کے جسموں میں گویا کوئی بارود بھر دی تھی۔

"خداوند یسوع، رحم کر، رحم۔۔۔" بوڑھی عورت خوفزدہ آنکھوں سے بدلے کی آگ کے شعلوں میں جلتا ہوا اپنا گھر دیکھ کر بین کرنے لگی۔ اسکی آواز دل چیر دینے والی تھی لیکن وہاں موجود زمینی خدا اسکی ایک سننے کو تیار نہ تھے۔

http://paksociety.com

"سب کو مار دیا، ختم کر دیا ظالمو نے۔۔" دل دہلا دینے والی آواز میں صدیوں کا کرب شامل ہوا۔ اسے لگا جیسے اس کے ذہن کی طنابیں چٹخنے لگیں ہوں۔ وہ لب بھینچ کر اپنے دل کو بکھرتا ہوا محسوس کرنے لگی۔

"خدیجہ۔۔۔!!!" اس کے شوہر کی آواز اسے حقیقت کی دنیا میں لے آئی۔

"ہوں۔۔۔" وہ ایک دم ہڑبڑا کر اٹھی۔ اس نے بے اختیار اپنی نم آلود آنکھوں کو انگلیوں کی پوروں سے صاف کیا۔ وہ شخص نظریں چرا کر اس کے سامنے والی خالی سیٹ پر بیٹھ گیا، ایسا لگتا تھا جیسے لڑکی کے آنسوئوں نے اسکی قوت گویائی سلب کر کے رکھ دی ہو۔ اس دراز قد مرد نے برائون کلر کی جینز پر چاکلیٹ کلر کی شرٹ کے ساتھ لیدر کی جیکٹ پہن رکھی تھی۔ جب کہ اس کی جوان اس کا چہرہ غم کی جاگیر بنا ہوا تھا اور آنکھیں شدت گریہ کی وجہ سے سوج چکی تھیں۔ بیوی سیاہ رنگ کے عبایہ میں تھی۔

مرد کا دل تاسف کے گہرے احساس سے بھر گیا۔ اُس نے افسردہ نگاہوں سے اپنے بیٹے کی طرف دیکھا جو نیلے رنگ کے کمبل میں لپٹا ہوا ماں کی گود میں گہری پر سکون نیند سو رہا تھا۔

"محمد احمد سو گیا کیا۔۔۔؟؟؟" مرد نے اپنی بیوی کو مخاطب کیا جو ہونٹ کچلتے ہوئے آنکھوں میں تنی دھند کی چادر کو ہٹانے میں کوشاں تھی۔

"ہاں۔۔۔" وہ بمشکل زور لگا کر بولی، لفظ اسکے تالو سے چمٹ گئے۔

"تم بھی سو جاؤ۔۔۔" بے خوابی کے عطا کردہ بوجھل پن نے مرد کو نڈھال کر رکھا تھا لیکن اسے پھر بھی اپنی شریک سفر کی فکر تھی۔

میں جاگ رہی ہوں، آپ برتھ پر جا کر تھوڑا ریسٹ کر لیں۔" وہ ہاتھ میں پکڑے فیڈر کی سطح کو ناخنوں سے کھرچتے ہوئے سپاٹ لہجے میں بولی۔ اُسے معلوم تھا آج کی رات رت جگا اسکا مقدر ہے۔

"ٹھیک ہے۔۔۔" وہ فوراً ہی اسکی بات سے متفق ہوا اور کمبل اٹھا کر برتھ پر جا کر لیٹ گیا۔ ایک گھنٹہ کروٹیں بدلنے کے بعد کیبن میں اسکے خراٹے گونجنے لگے تو اسکی بیوی کا دل ایک دفعہ پھر کرب کی اتھاہ گہرائیوں میں گرنے لگا۔ وہ کھڑکی کے شیشے سے پار تاریکی میں باہر کے مناظر کو کھوجنے لگی۔ ایسی ہی تیرگی نے اسکے مقدر کو بھی اپنے حصار میں لے رکھا تھا۔۔۔ اُسے پتا ہی نہ چلا آنسوئوں کے پر حدت قطرے مسلسل اسکے گالوں پر لڑھک رہے تھے، آج ان پر اسکا کوئی زور نہیں چل رہا تھا۔ دل و دماغ میں ایک حشر برپا تھا،

http://paksociety.com

ہر طرف دل کو چیر دینے والی آہیں اور سسکیاں تھیں۔۔۔وہ رات بھی اسکا دکھ سمجھ چکی تھی۔۔۔۔۔ تبھی تو ایک محسوس کی جانے والی اداسی نم آلود ہوائوں کے ساتھ فضا میں بین کرنے لگی۔بے ہنگم سوچوں نے اُس کے وجود کا حصار کر رکھا تھا۔ایسا لگتا تھا جیسے وہ لامتناہی گردش کے کسی بھنور میں پھنس چکی ہو۔۔۔اس وقت ٹرین کے اس کیبن میں بچے سمیت تین مسافر تھے اور چوتھا مسافر جسے صرف وہ لڑکی ہی دیکھ سکتی تھی اسکا نام تھا اجل۔۔۔ہاں اجل یعنی موت۔۔۔جو پر پھیلائے ان تینوں میں سے کسی ایک کو اپنی بانہوں میں سمیٹنے کو بے تاب تھی۔ٹرین کی رفتار میں ایک دم ہی کمی آگئی،ایسا لگتا تھا جیسے کوئی ماہر رقاصہ تھک کر آہستہ آہستہ زمین پر گرنے کی تیاری کر رہی ہو۔اُس لڑکی نے اپنی گود میں موجود ننھے فرشتے کو دیکھا،جسے کچھ دیر پہلے ہی اس نے اپنے شوہر سے نظر بچا کر کھانسی کا شربت پلایا تھا جس کے زیر اثر وہ گہری نیند مزید کئی گھنٹے تک سو سکتا تھا۔

"آئی ایم سوری بیٹا۔۔"وہ اسکی پیشانی،آنکھوں،ہونٹوں اور رخساروں کو دیوانہ وار چوم کر آہستگی سے بولی۔وہ نیند میں ہلکا سا کسمسایا۔"تمہاری ماں کے پاس اور کوئی راستہ نہ تھا۔۔"بے بسی کے احساس کے زیر اثر اسکی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔

گاڑی چلتے چلتے ایک جھٹکے سے رکی،اُس نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا،اسکی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی پھیل گئی۔اسکے دماغ فیصلہ کیا اور اس سوچ نے اس کے اندر توانائی کا ایک جہان بھر دیا۔ریلوے اسٹیشن پر لگے زرد رنگ کے بلب نے سیکنڈوں میں ایک کی روشنی میں اُس نے دیکھا،وہ کوئی بیوہ کی مانگ کی طرح اجڑا ہوا اسٹیشن تھا،جس پر اکا دکا گاڑیاں ہی رکتی ہونگیں لیکن شاید اس وقت دوسری طرف سے آنے والی گاڑی کا کوئی کراس تھا،جبھی ڈرائیور نے ٹرین یہاں روک دی تھی،اسی وجہ سے یہاں نہ تو کوئی مسافر موجود تھا اور نہ ہی کوئی نیچے اترا تھا۔ریلوے اسٹیشن کی چھوٹی سی عمارت خاصی خستہ حال تھی اور اس کا فرش بھی جگہ جگہ سے اکھڑا ہوا تھا۔کمروں کو زنگ آلود تالے لگے ہوئے تھے۔جیسے انہیں کھولے ہوئے صدیاں گذر چکی ہوں۔اُس لڑکی کا دل ایسے ڈوب کر دھڑکا جیسے آخری بار دھڑکا ہو،اس نے کنکھیوں سے اپنے شوہر کو دیکھا جو برتھ پر لیٹا ہوا تھا اور کمبل میں اسکے خراٹے بلند میں گونج رہے تھے۔اُس نے بچے کو ایک ہاتھ سے نرمی سے اٹھایا اور دوسرے ہاتھ میں باسکٹ پکڑی جس میں بچے کی ضرورت کا سارا سامان تھا۔اس کے ہاتھوں کی لرزش اس کے اندرونی خلفشار کی عکاسی کر رہی تھی۔۔۔جیسے ہی وہ ٹرین کے کمپارٹمنٹ کی گیلری میں آئی اُسے لگا جیسے وہ ایک پل میں صدیوں کا سفر طے کر آئی ہو۔رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا،سب مسافر خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے،اُس نے باسکٹ نیچے رکھ کر ٹرین کا بھاری بھرکم دروازہ زور لگا کر کھولا۔بزنس کلاس کی وجہ

http://paksociety.com

سے اس بوگی میں مسافروں کی تعداد خاصی کم تھی، اکثر کیبن خالی ہی تھے۔۔ سخت سردی میں پوری ٹرین کی کھڑکیاں بند تھیں۔ وہ خوفزدہ انداز میں ٹرین سے نیچے اتری، یخ بستہ ٹھنڈی ہوا نے بدن کو چھوا تو اسے جھرجھری سی آگئی۔ اس نے ہراساں چہرے کے ساتھ دائیں بائیں دیکھا اور پھر اسکی نظر شیشم کے درخت کے نیچے رکھے سنگ مرمر کے بینچ پر پڑی۔ وہ سرعت سے اس جانب بڑھی اور چلتے چلتے رکی اور خوفزدہ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگی۔ دور کہیں کوئی آوارہ کتا بھونکا تھا۔ اس کا دل کانپ اٹھا لیکن جلد ہی اس نے خود کو حوصلہ دیا۔ اُسے ہر قیمت پر اپنے فیصلے پر عمل درآمد کرنا تھا۔ اُس لڑکی کی عقابی نظریں کسی محفوظ ٹھکانے کی تلاش میں تھیں، اچانک ہی اسکی نظر سنگ مرمر کے بینچ کے نیچے بنی ایک محفوظ جگہ پر پڑی، جہاں وہ اپنے جگر گوشے کو اس کہر جماتی سردی کی ٹھنڈک سے بچا سکتی تھی۔ اُس نے جلدی سے بینچ کے نیچے جھانکا اور تھوڑا سا جھک کر ٹوکری کو بینچ کے نیچے گھسایا اور سلیپنگ بیگ میں لیٹے بچے کو احتیاط سے لٹاتے ہوئے اسکا دل ایک لمحے کو ڈگمگایا۔

"مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے۔۔۔۔" وہ کسی جذباتی رو میں بہنے ہی لگی تھی کہ دماغ نے دل کو دھکا دے کر اوندھے منہ گرا دیا۔

"اپنے ہاتھوں سے مارنے سے بہتر ہے، اسے زندہ چھوڑ دو۔" دماغ نے اُسے ایک نئی راہ دیکھائی۔ اسی لمحے رات کے ہیبت ناک سناٹے میں ٹرین کی سیٹی کی آواز گونجی۔۔۔ اس کے اندر کرنٹ سا دوڑا اُس نے جلدی سے ہاتھ میں پکڑا اچھوٹا کمبل بھی اس سلیپنگ بیگ کے اوپر ڈال دیا تھا۔۔ پہلی نظر میں اب کسی کو بھی یہ احساس نہیں ہو سکتا تھا کہ اس بینچ کے نیچے کوئی جیتا جاگتا وجود چند ہی سیکنڈ بعد گاڑی ہلکی سی رینگی، وہ لڑکی بھاگ کر دوبارا ٹرین میں سوار ہوئی وہ اب دروازے میں کھڑی انتہائی سورہا ہے صدمے بھرے انداز سے اپنے دل کے ٹکڑے کو خود سے دُور ہوتا دیکھ رہی تھی۔۔۔ اسکی رنگت خطرناک حد تک سپید پڑ گئی اور اسکا سارا وجود کانپنے لگا اور اسے لگا جیسے اسکی سانسیں حلق میں اٹک کر رہ گئیں ہوں۔ گاڑی پوری قوت سے ریل کی پٹریوں پر دوڑ رہی تھی۔ وہ ٹرین کے دروازے میں ایسے کھڑی تھی جیسے کسی نے وہاں کوئی سنگی مجسمہ نصب کر دیا ہو۔ جیسے جیسے ٹرین آگے بڑھ رہی تھی اُسے محسوس ہو رہا تھا جیسے اسکا دل کسی اندھی کھائی میں ڈوب رہا ہو۔ سرد ہوا کے ٹھنڈے یخ جھونکے اسکے وجود سے ٹکرا رہے تھے لیکن وہ اس وقت موسم کی سختیوں سے بے نیاز ہو چکی تھی

اُسے دروازے میں کھڑے تقریباً بیس منٹ ہو چکے تھے اور اسکے شوہر کو ابھی تک اسکی غیر موجودگی کا احساس نہیں ہوا تھا۔ اس وقت وہ اذیت کی انتہا پر تھی۔ بیس منٹ کے اندر ہی پچھتاوں کے چالیس ناگ اسکے وجود کے گرد لپٹ چکے تھے۔

http://paksociety.com

"یہ میں نے کیا، کیا۔۔۔؟" اس کا سر چکرانے لگا۔ اسکے باپ کو میں کیا جواب دوں گی کہ اسکی اولاد کو میں کس ویرانے میں پھینک آئی۔" اندر سے اٹھنے والی اس خوف کی لہر نے اسے چکرا کر رکھ دیا، وہ جذبات کی رو میں بہہ کر ایک غلط فیصلہ تو کر آئی تھی اور اب اسکے مضر اثرات اسے ساری زندگی بھگتنے تھے۔ اس گاڑی کی مخالف سمت سے دوسری پٹڑی پر ایک ٹرین کا انجن دُور سے کسی عفریت کی مانند آرہا تھا۔ وہ اس وقت ہوش و حواس سے بیگانہ بس ایک ہی سوچ مین مگن تھی کہ اسے اپنے بچے کو اس ویران اسٹیشن سے اٹھا کر واپس لانا ہے۔

"مجھے زنجیر کھینچ کر گاڑی روکنی چاہیے۔۔۔۔۔" اس سوچ نے اسکے اندر توانائی کا ایک جہان بھر دیا، وہ جو دروازے کا ہینڈل مضبوطی سے پکڑے کھڑی تھی، اسکے ہاتھ کی گرفت ڈھیلی پڑی، دماغ چکرایا، اس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی، لیکن مخالف سمت سے آتی طاقتور ہواوں کے سامنے اس کی ایک نہ چلی اور اسکا پاؤں پھسلا اور وہ چلتی گاڑی سے بہت بے رحم انداز میں گری

"محمد احمد۔۔۔۔۔" اس کے حلق سے چیخ نکلی، وہ مرنا نہیں چاہتی تھی لیکن مخالف سمت سے آتی ٹرین اس کے وجود کو روندتی چلی گئی۔ دُور کہیں ویرانے میں اجل نے حلق پھاڑ کر قہقہہ لگایا اور اس لڑکی کا وجود سینکڑوں پر خچوں کی صورت فضا میں بکھر گیا۔ موت اس معصوم لڑکی کو بہت ظالمانہ انداز میں اپنے پنجوں میں دبوچ کر لے جا چکی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"میر ہاؤس" کے ہال کمرے میں لگے گھڑیال کا گجر بلند آواز میں بجا۔۔۔ ٹن کی آواز نے سناٹے کے تالاب میں لمحے بھر کو گرداب پیدا کیا اور پھر ایک بھید بھری خاموشی نے پورے ماحول کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ طوفانی بارش رک چکی تھی لیکن درختوں کی ٹہنیوں سے الجھتی شائیں شائیں کی آواز عجیب سا تاثر دے رہی تھی رات کا پچھلا پہر تھا اور ماحول میں پر ہول سناٹا چھایا ہوا تھا۔ در شہوار نے زبردستی اپنی چچازاد بہن طوبیٰ کا یخ ٹھنڈا ہاتھ پکڑا اور بالائی منزل سے گولائی کے رخ میں آتی سیڑھیاں اترنے لگی۔ اس وقت مری کی فضاؤں میں سرد رات تاریکی کا کمبل اوڑھے گہری نیند سو رہی تھی

"در شہوار۔۔۔ پلیز۔۔۔۔" طوبیٰ نے اسکا ہاتھ دبا کر التجا کی۔ وہ بادل نخواستہ اسکے ساتھ چل رہی تھی۔

"ہرگز نہیں۔۔۔" در شہوار کے انداز میں عجیب سی سرکشی اور بلا کا اعتماد تھا۔

http://paksociety.com

"مجھے ڈر لگ رہا ہے۔۔۔" طوبیٰ کی آواز ہلکی سی کانپی۔

"کچھ نہیں ہوتا۔۔۔۔" در شہوار نے لاپرواہی سے جواب دیا۔ ویسے بھی وہ کچھ ٹھان لیتی تو اس پر عمل درآمد کرنے سے اسے طوبیٰ دل ہی دل میں آیت الکرسی کا ورد کرتے ہوئے اس کو نہیں روک سکتا تھا۔ وہ میر ہاوس کی سب سے ضدی لڑکی مشہور تھی۔ کے ساتھ گھر کے پچھلی سائیڈ پر بنے کوریڈور کی طرف نکل آئی جہاں پچھلے لان کا دروازہ تھا۔ در شہوار نے چنیوٹی لکڑی کے بنے دروازے کے سنہری ہینڈل میں ہاتھ میں پکڑی چابی گھمائی اور تھوڑا سا زور لگانے سے زنگ آلود تالا ٹھک کر کے کھل گیا دونوں نے گھبرا کر اپنے لبوں پر ہاتھ رکھ لیے لیکن خیریت رہی، اس وقت میر ہاؤس کے مکین اپنے اپنے کمروں میں گہری نیند سوئے تھے۔

دروازہ کھول کر وہ جیسے ہی باہر نکلیں، مری کی یخ ہوا کا ایک نم آلود جھونکا انہیں کپکپی میں مبتلا کر گیا۔ رات کا آسمان بارش کے بعد اب ستاروں سے مزین تھا اور اجلی ہوئی چاندنی کی روشنی میں ہر چیز بہت پراسرار اور کسی حد تک ہیبت ناک لگ رہی تھی۔

"در شہوار۔۔۔۔۔" طوبیٰ کے حلق سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی۔

"خبر دار، واپسی کی بات مت کرنا۔" در شہوار کی آنکھوں میں محسوس کی جانے والی ناراضی در آئی۔

"لیکن۔۔۔" طوبیٰ نے خوفزدہ نگاہوں سے میر ہائوس کے لان سے پار کچھ فاصلے پر گہرائی میں موجود گھنے جنگل کو دیکھا۔ اگرچہ لان کی دیوار پر ایک اور باڑ لگا کر اسے جنگلی جانوروں سے محفوظ بنانے کی کوشش کی گئی تھی، لیکن طوبیٰ اور در شہوار نے اس کا بھی حل ڈھونڈ رکھا تھا پائن، شاہ بلوط، شیشم، صنوبر اور چیڑ کے گھنے درختوں والا یہ جنگل دن کی روشنی میں ہی خاصا خوفناک لگتا تھا اور چاندنی رات میں تو اس پر عجیب دل دہلا دینے والا رنگ چھایا ہوا تھا۔

"طوبیٰ جلدی چلو۔۔۔" در شہوار نے ٹارچ کی روشنی میں اپنی چچازاد کزن کو اشارہ کیا۔

"یار دفع کرو، واپس چلتے ہیں، میرا دل سخت گھبرا رہا ہے۔" طوبیٰ نے خوفزدہ نگاہوں سے سامنے لگے شیشم کے درخت کو دیکھا، جسکی ٹہنیوں کا سایہ زمین پر خوفناک قسم کے نقش و نگار بنا رہا تھا۔

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔۔۔" در شہوار نے مڑ کر کھا جانے والی نگاہوں سے اُسے دیکھا۔ پھر ایک دم وہ ہو گیا، جس کی ان دونوں کو ہی توقع نہیں تھی۔ مری کی خاموش فضا میں گویا کسی نے صور پھونک دیا تھا۔

http://paksociety.com

"دماغ ٹھیک ہے تم دونوں کا۔۔۔"سمیر ہاؤس کا پچھلا دروازہ کھلا اور شاہ میر کا غصّے سے بھرپور چہرہ نمودار ہوا۔ آدھی رات کی خاموشی میں شاہ میر کی جھنجھلائی ہوئی آواز نے ان دونوں کے پیروں کے نیچے سے زمین کھینچ لی۔ طوبیٰ کو مری کے سارے پہاڑ اپنے اوپر گرتے ہوئے محسوس ہوئے، رنگ فق تو در شہوار کا بھی ہو گیا تھا لیکن اس نے بڑی مہارت سے خود پر قابو پا لیا، ویسے بھی شاہ میر تو اس کا سگا بھائی تھا۔ اصل شامت تو طوبیٰ کی آنے والی تھی، جو اسکی چچازاد کزن ہونے کے علاوہ پکی حریف بھی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو بے عزت کروانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے

اب کیا سکتہ ہو گیا ہے تم دونوں کو۔۔؟"ان دونوں کی خاموشی پر وہ ہلکا سا چڑ کر گویا ہوا۔

"در شہوار۔۔۔۔میرو۔۔۔۔"طوبیٰ کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔

"خبردار، کچھ بھی مت بتانا۔۔۔"در شہوار نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے تنبیہ کی۔

"کیا بھنگ پی رکھی ہے تم دونوں نے۔؟ عقل گھاس چرنے چلی گئی ہے۔؟ چلو اندر، جا کر بتاتا ہوں میں سب کو۔"شاہ میر کی دھمکی پر طوبیٰ اور در شہوار کا دل دھک کر کے رہ گیا۔ وہ دونوں ہراساں نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگیں

"اب کیا داجی کی مرسڈیز منگوائوں تم دونوں شہزادیوں کے لیے۔"شاہ میر انہیں اپنی جگہ کھڑے دیکھ کر سخت کوفت کا شکار ہوا۔

"آرہے ہیں بھائی۔۔۔"در شہوار نے تھوک نگل کر اپنے خشک حلق کو تر کیا۔

"آئے دن ایڈونیچر سوجھتے ہیں مہارانیوں کو۔۔۔"وہ بالکل خواتین کی طرح طعنے دیتا ہوا ان کے آگے چل رہا تھا اور طوبیٰ اس لمحے کو کوس رہی تھی جب اس نے در شہوار کی باتوں میں آکر "مشن امپاسیبل" پر کام کرنے کی حامی بھری تھی۔ میر ہاؤس، کشمیر پوائنٹ سے کچھ فاصلے پر ایک خوبصورت بنگلہ تھا۔ اس کی زمین میر حاکم علی کے ابا و اجداد کو انگریز حکومت نے اپنی خاص وفاداری کے انعام کے طور پر تحفتاً دی تھی، جس پر حاکم علی کے والد میر مراد علی نے گھر کی تعمیر کروائی تھی۔ بہت سال بعد جب مراد علی کا انتقال ہوا تو ان کے چالیسویں والے دن اس بنگلے میں اچانک ہی آگ بھڑک اٹھی اور کئی ملازم زندہ جل مرے۔ اُس کے بعد ان کے بیٹے میر حاکم علی نے اسے گرا کر دوبارا سے تعمیر کروایا اور اب وہاں میر حاکم کے دو بیٹوں محتشم علی اور خاقان علی کا خاندان آباد تھا۔ جب کہ دو بیٹیاں بھی تھیں جن میں سے فوزیہ کا انتقال ہو چکا تھا اور ان کے دو بچے نمیرہ اور ارسل اسی گھر میں پل کے جوان میر حاکم کی

http://paksociety.com

حاکم علی کے بڑے بیٹے محتشم علی کے آگے تین بیٹے ہوئے تھے، جبکہ دوسری بیٹی فائزہ اپنی فیملی کے ساتھ ملک سے باہر مقیم تھیں۔ وہاج، برہان، شاہ میر اور ایک بیٹی در شہوار تھی اور ان کی بیوی تاجدار بیگم ان کی فرسٹ کزن اور حاکم علی کی سگی بھتیجی بھی تھیں۔ جب کہ محتشم سے چھوٹے خاقان علی کی دو شادیاں تھیں۔ پہلی بیوی شارقہ بیگم سے دو بیٹیاں انابیہ اور طوبیٰ تھیں، طوبیٰ کی پیدائش پر کوئی پیچیدگی ہونے کی وجہ سے مزید اولاد نہیں ہو سکتی تھی اس لیے انہوں نے بیٹے کے لیے دوسری شادی ندرت بیگم سے کی۔ خدا کا کرنا یہ ہوا کہ ان کی دوسری بیوی ندرت بیگم سے بھی ان کی کوئی بھی اولاد نہ ہو سکی۔ میر حاکم علی کی بڑی بیٹی فوزیہ اور اس کی گود کے شوہر کی اچانک فضائی حادثے میں موت کے بعد ان کے دونوں بچوں نمیرہ اور ارسل کو ''میر ہائوس'' میں ندرت بیگم میں ڈال دیا گیا، ان کی پرورش انہوں نے کی تھی اس طرح اس گھر میں چار لڑکیاں اور چار لڑکے تھے جن میں سے وہاج بھائی اپنے داجی اور والد محتشم علی کے ساتھ سیاست میں اور برہان ڈاکٹریٹ کر کے قائد اعظم یونیورسٹی میں اسسٹنٹ پروفیسر اور شاہ میر پاک آرمی میں کیپٹن رینک پر آجکل اپنی یونٹ کے ساتھ کھاریاں کینٹ میں پوسٹڈ تھا، جبکہ ارسل یونیورسٹی میں پڑھ رہا تھا۔ برہان کا نکاح اس وقت اپنی چچازاد کزن انابیہ سے کر دیا گیا تھا جب وہ پی ایچ ڈی کرنے کے لیے ملک سے باہر جا رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''میر ہاؤس'' کے ہال کمرے میں اس وقت ایک عدالت سجی ہوئی تھی۔۔ عدالت میں جج کے فرائض در شہوار اور شاہ میر کی والدہ صاحب کی بیگم تھیں، میر تاجدار بیگم سر انجام دے رہی تھیں۔ جنہیں سب تائی امی کہتے تھے، وہ میر حاکم کی چہیتی بہو اور میر محتشم ہاؤس میں زیادہ تر انہی کی حکمرانی چلتی تھی۔ ہال کمرے میں بہت قدیم اور قیمتی شاہ بلوط کی لکڑی کا بنا فرنیچر رکھا ہوا تھا، دیواروں پر بیش قیمت فریموں میں جڑی میر حاکم علی کے خاندان کے اباء اجداد کی شاہانہ تصویروں سے جھلکتا غرور، اس گھر کے اکثر مکینوں کی کچھ تصاویر بھی موجود تھیں۔ ہال آنکھوں میں بھی نظر آتا تھا۔ برٹش انڈیا کے دور کے فوجی یونیفارم میں حاکم علی کے بزرگوں کی کمرے کے سینٹر میں ایرانی قالین بچھا ہوا تھا اور ایک سائیڈ پر شیشے کی بڑی سی ڈائننگ میز کے ارد گرد بارہ کرسیاں ترتیب سے رکھی ہوئیں تھیں، یہ کمرہ لاونج اور ڈائننگ روم دونوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے کافی تھا۔ ہال کے ایک سائیڈ پر چنیوٹی لکڑی کا بنا ایک بڑا شاندار سا تخت رکھا ہوا تھا جس پر ویلوٹ کی پوشنگ کی گئی تھی۔ اسی تخت پر اس وقت تاجدار بیگم اپنی دونوں دیورانیوں شارقہ بیگم اور ندرت بیگم کے ساتھ موجود تھیں، شارقہ بیگم کا انداز برہم اور ندرت بیگم کے انگ انگ سے بے چینی اور تجسس ٹپک

http://paksociety.com

رہا تھا۔ ایرانی قالین پر دو مجرم، در شہوار اور طوبیٰ کی شکل میں موجود تھے اور عینی گواہ کیپٹن شاہ میر اس وقت ڈائننگ ٹیبل کی کرسی پر آلتی پالتی مارے مزے سے ٹھنڈا ٹھار تربوز کھاتے ہوئے طوبیٰ کا سرخ چہرہ اپنی شوخ نظروں کے حصار میں لیے ہوا تھا

"سچ سچ بتاؤ، کیا کرنے کیا گئیں تھیں وہاں آدھی رات کو۔۔؟" تاجدار بیگم نے سلگ کر اپنی صاحبزادی در شہوار کو دیکھا۔

"ذرا سوچیں امی، اگر میری آنکھ نہ کھلتی تو صبح ان کی لاشیں ہی ملتیں اس جنگل سے۔۔۔" شاہ میر کی شرارتی آنکھوں میں چمکتے جگنوؤں اگر اس سے طوبیٰ کے ہاتھ آ لگتے تو وہ ان کی گردن مڑوڑ کر کسی گہری کھائی میں پھینک آتی۔

"اچھا ہے آپ لوگوں کا جہیز کا خرچہ بچ جاتا۔۔۔" ایسی سچوئشن میں اتنا جذباتی اور بے باک جملہ اس گھر کی ایک ہی لڑکی کی طرف سے آ سکتا تھا اور وہ تھی وہاج، برہان اور شاہ میر کی اکلوتی بہن در شہوار۔۔۔ اسکی بھوری آنکھوں سے جھلکتی ذہانت اور شوخی کے ساتھ ساتھ بغاوت کے رنگ تاجدار بیگم کی راتوں کی نیند حرام کرنے کے لیے کافی تھے، وہ جانتی تھیں کہ اس کا ہر معاملے میں بے دھڑک رویہ کسی دن گھر کے مردوں کو بُری طرح کھٹکنے لگے گا۔ ابھی تک تو وہ اپنے تین بھائیوں، باپ، چچا اور دادا جی سب کی ہی لاڈلی تھی، اور اس چیز کا ناجائز فائدہ بھی اکثر اٹھاتی رہتی تھی۔

"اچھا تو ہمارا جہیز کا خرچہ بچانے کے لیے خودکشی کرنے جا رہیں تھیں آپ، وہ بھی اپنی مشیر خاص طوبیٰ محتشم علی کے ساتھ۔" شاہ میر نے اپنا قہقہہ حلق میں دبایا کیونکہ نقص امن کا اندیشہ تھا۔۔

"آپ تو چپ رہیں، سارا فساد ہی آپکا پھیلایا ہوا ہے، ایسے ہوتے ہیں بھلا بڑے بھائی، اونہہ۔۔۔" در شہوار نے اپنے سے پانچ سال بڑے بھائی کی طبعیت صاف کی، اس کی اس بدتمیزی پر تاجدار بیگم نے بے چینی سے پہلو بدلا اور ان کی دیورانی ندرت بیگم نے طنزیہ نگاہوں سے اپنی سوتن شارقہ بیگم کو دیکھا، جو اس وقت کھا جانے والی نگاہوں سے اپنی بیٹی طوبیٰ کو دیکھ رہیں تھیں جو ہر معاملے میں در شہوار کی "کرائم پارٹنر" کہلاتی تھی۔ در شہوار اور طوبیٰ ہم عمر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ہی کالج میں پڑھتی تھیں، دونوں میں ہی بلا کی دوستی اور انڈراسٹینڈنگ تھی۔ میر ہائوس کی خواتین کو ان کی آئے دن کی شرارتوں نے سخت بیزار کر رکھا تھا۔

"ہائے ہائے بھابھی، دیکھیں ذرا در شہوار کو، اسے تو چھوٹے بڑے کسی کا بھی لحاظ نہیں۔" خاقان علی کی دوسری بیگم ندرت چچی نے فوراً ہی لبوں پر ہاتھ رکھ کر مصنوعی حیرانگی کا اظہار کیا۔ ان کی اوور ایکٹینگ در شہوار کو سخت ناگوار گذری لیکن یہ موقع اپنی زبان کے جوہر دیکھانے کا نہیں تھا۔

"بہت زبان چلتی ہے تمہاری۔۔۔" تاجدار بیگم نے جھنجھلا کر اپنے سامنے رکھا پان دان زور سے بند کیا۔

"اب بندہ اپنے حق کے لیے بولے بھی ناں۔۔۔" اس دفعہ صاحبزادی کی آواز میں ذرا دم کم تھا۔

"یہ تقریر اپنے داجی اور باپ کے سامنے کرنا، مال روڈ پر پھانسی کے پھندے سے لٹکا دیں گے۔" وہ تڑخ کر بولیں۔

"نہیں اس کے لیے ایوبیہ، بہتر جگہ ہے، مال روڈ پر رش بہت ہوتا ہے۔" در شہوار کی زبان پھر پھسلی اور اپنی دونوں دیورانیوں کے سامنے اکلوتی بیٹی کی زبان درازی نے تاجدار بیگم کو سخت خفت میں مبتلا کیا۔

"دیکھو شاہ میر، کیسے پٹر پٹر جواب دے رہی ہے ماں کو، یہ طوبیٰ بھی تو ہے مجال ہے بچی نے پلٹ کر ایک لفظ بھی کہا ہو۔" تاجدار بیگم کا پارہ ہائی ہوا۔ شاہ میر مسکراتا ہوا جھٹ سے طوبیٰ کے بالکل سامنے آن کھڑا ہوا۔ طوبیٰ کا بے اختیار دل چاہا کہ وہ اس فسادی کو مکھی بنا کر دیوار پر چپکا دے۔

"خیر یہ بچی بھی کسی سے کم نہیں، یاد نہیں وہاج بھائی کے پالتو کتے کی ٹانگ زخمی کر دی تھی اس نے پتھر مار کر۔۔۔" شاہ میر نے کچھ عرصے پہلے کا واقعہ ہنستے ہوئے یاد دلایا تو طوبیٰ نے بے اختیار اسے دل میں تین چار ناقابل اشاعت گالیوں سے نوازا۔

"ہاں تو پیٹ پر چودہ ٹیکے لگوانے سے اچھا ہے، بندہ اس کتے کے ساتھ ہی کتے والی کر دے۔" در شہوار نے اپنی کزن کی بیسٹ فرینڈ ہونے کا حق ادا کیا۔

"در شہوار، زبان بند کرو اپنی۔۔۔!!!" تاجدار بیگم کے ضبط کا پیمانہ لبریز ہوا۔

"توبہ توبہ بھابھی، میں تو اس وقت سے سوچ جا رہی ہوں، اس جنگل میں تو کوئی دن کی روشنی میں بھی جانے کی ہمت نہیں کرتا، ان لڑکیوں کو بھلا سوجھی کیا، جو وہاں چل دیں منہ اٹھا کر۔۔۔؟ ندرت چچی نے اسٹار پلس کی کسی کٹنی ساس کی طرح ہاتھ مل کر سب کی توجہ ایک دفعہ پھر اسی جانب مبذول کروا دی جہاں سے در شہوار اپنی ذہانت سے انہیں ہٹا چکی تھی۔

"اب منہ میں زبان نہیں ہے تم لوگوں کے، آخر ایسی کون سی موت پڑ گئی تھی۔؟" پان کے پتے پر چونا لگاتیں شارقہ بیگم بھی کار خیر میں اپنا حصّہ ڈالنے کو بول پڑیں، ویسے بھی جہاں ان کی سوکن ندرت بیگم اظہار خیال فرما دیتیں، وہاں ان کا بولنا بھی واجب ہو جاتا تھا

"آپ لوگ تو پیچھے ہی پڑ گئے ہیں چچی جان۔۔۔" در شہوار نے بُرا سا منہ بنایا۔

"دیکھیں لیں بھابھی۔۔۔"ندرت چچی کا انداز سراسر آگ لگانے والا تھا۔

"اپنی اولاد تو ہے نہیں اور دوسروں کے بچوں کو ذلیل کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتیں۔"در شہوار نے دل ہی دل میں ندرت چچی کو خراج تحسین پیش کیا، جبکہ طوبیٰ تو ہراساں نگاہوں سے اپنی والدہ شارقہ بیگم کے ماتھے پر پڑے بل گننے میں مصروف تھی۔

"آ لینے دو ذرا تمہارے داجی کو، تمہاری تو اچھی ٹیونگ کروائوں گی۔"تاجدار بیگم نے اپنے سسر کا نام لے کر ڈراوا دیا۔

"بس فیصلہ ہو گیا، ایک دفعہ انہی کے ہاتھوں بے عزت کروالیجئے گا، ابھی تو سکون سے ناشتہ کرنے دیں۔"در شہوار بے تکلفی سے شاہ میر کا ہاتھ پکڑ کر ڈائننگ ٹیبل پر لے آئی اور مزے سے بھائی کے ساتھ مل کر تربوز کھانے لگی۔

در شہوار کی اس حرکت پر تاجدار بیگم کھسیا کر رہ گئیں، لیکن دل ہی دل میں وہ صاحبزادی کی علیحدگی میں جھاڑ پٹی کرنے کا عہد کر چکیں تھیں، اس موقعے پر اپنی دونوں دیورانیوں کے سامنے مذید تفتیش کرنا خود اپنے پیروں پر کلہاڑی مارنے کا مترادف تھا، اس لیے وہ کڑوا گھونٹ بھر کر رہ گئیں۔

"بھئی میرا تو دماغ چٹ کر دیا ہے اس لڑکی نے، اسکا باپ ہی پوچھے گا اسے۔۔"انہوں نے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اپنی طرف سے معاملے پر مٹی ڈالی اور بیزاری سے ملازمہ کو آوازیں دیتیں ہوئی کچن کی طرف بڑھ گئیں، ندرت بیگم سخت بے مزا ہوئیں۔ در شہوار تو ہے ہی ازل سے لاپرواہ، کم از کم طوبیٰ تمہیں ہوش کے ناخن لینے چاہیے۔"ندرت بیگم نے اپنی سوتن کو تپانے کے لیے سارا ملبہ طوبیٰ پر ڈالا، جو کینہ توز نگاہوں سے در شہوار اور شاہ میر کی طرف دیکھ رہی تھی، اس حملے پر بوکھلا گئی۔

"خاقان صاحب کو پتا چلا تو بہت خفا ہونگے۔۔"ان کی اگلی بات پر طوبیٰ سے زیادہ اسکی والدہ شارقہ بیگم کا رنگ فق ہوا۔

"آپکے علاوہ اور کون بتائے گا انہیں، بارہ مصالحے کی چٹ پٹی چاٹ بنا کر۔"در شہوار تربوز کھاتے ہوئے منہ میں بڑبڑائی تو شاہ میر کو ہنسی آ گئی۔ طوبیٰ کو لگا جیسے دونوں بہن بھائی اس پر ہنس رہے ہوں، وہ دل ہی دل میں در شہوار سے سخت خفا ہو گئی۔

http://paksociety.com

"تم چلو ذرا کمرے میں۔۔" شارقہ بیگم کا لہجہ سخت اور آنکھوں سے ناراضی چھلک رہی تھی۔ وہ مرے مرے قدموں سے سیڑھیوں کی طرف بڑھی اور دل ہی دل میں آل تو جلال تو کا ورد کرنے لگی۔ اسے معلوم تھا در شہوار ہمیشہ کی طرح دودھ سے مکھی کی طرح نکل بیٹیوں کو کسی قسم کی رعایت دینے کے حق جائے گی اور حسب سابق پھندہ طوبیٰ کی پتلی گردن میں ہی پھنسے گا کیونکہ شارقہ بیگم، اپنی میں نہیں تھیں اور خاقان صاحب کی دوسری شادی کے بعد ان کا مزاج تو ویسے ہی عجیب سا ہو گیا تھا۔ ذرا ذرا سی بات پر بھڑک اٹھتیں اور پھر بلند آواز میں رونے لگتیں۔ وہی ہوا، کمرے میں پہنچتے ہی ان کا پارہ آسمان کو چھونے لگا۔

"کون سا خزانہ چھپا ہوا تھا اس جنگل میں، جسکی تلاش میں آدھی رات کو نکلیں تھیں باہر۔" انہوں نے اسکا بازو جھنجھوڑ کر ناراضی سے پوچھا۔ وہ شرمندگی سے سر جھکا کر دبک کر بیٹھ گئی، کمرے میں موجود انابیہ نے اپنی واڈروب سیٹ کرتے ہوئے گھبرا کر ماں کا مشتعل انداز دیکھا۔

"دیکھنا وہ شاطر عورت کیسے بھڑکائے گی تمہارے باپ کو، وہ تو پہلے ہی چار چار دن حال نہیں پوچھتے ہمارا۔" شارقہ بیگم کا بس نہیں چل رہا تھا کہ گھما کر دو چار تھپڑ رسید کر دیتیں اسے۔

"پتا نہیں کس دن عقل آئے گی تمہیں، اللہ نے بھی بیٹیوں کی کھیپ اٹھا کر ڈال دی میری جھولی میں، کیا تھا ایک بیٹا ہی دے دیتا۔" ہمیشہ کی طرح وہ گرجتی برستی اسی تلخ موضوع کی طرف آ گئیں جو بہت سالوں سے ان کی دکھتی رگ بنا ہوا تھا۔

"ہزار دفعہ بتایا ہے، جیٹھانی صاحبہ تو سسر کی ناک کا بال بنی رہتیں ہیں اور در شہوار دادا کی چہیتی، ہمیں کون گھاس ڈالتا ہے اس گھر میں، جس دن غصّہ آیا ناں انہیں، ہاتھ پکڑ کر نکال باہر کریں گے ہم تینوں ماں بیٹیوں کو۔" شارقہ بیگم اتنی جذباتی ہوئیں کہ آنسوؤں سے انکا گلا رندھ گیا، طوبیٰ کو یوں لگا جیسے کسی نے اسکے منہ پر طمانچہ دے مارا ہو۔ انابیہ نے ایک ملامتی نگاہ چھوٹی بہن پر ڈالی اور واڈروب کا پٹ بند کر کے پریشانی سے ماں کی طرف بڑھی۔

"آپ کیوں ہلکان کر رہیں ہیں خود کو، سمجھا دوں گی میں اسے۔" اس نے ہمیشہ کی طرح انہیں دلاسا دینے کی کوشش کی۔

"کچھ عقل دے دو اسے، ورنہ کہہ دوں گی میں تمہارے باپ کو، کہیں رشتہ دیکھ کر رخصت کریں اسے، میری جان کی تو خلاصی ہو۔" وہ ٹھیک ٹھاک گرج برس کر کمرے سے نکلیں تو طوبیٰ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

http://paksociety.com

"سچ سچ بتائو، وہاں جانے کا مشورہ در شہوار نے دیا تھا ناں۔۔؟۔" انابیہ کے درست اندازے پر طوبیٰ رونا بھول گئی، ہاتھ میں پکڑے ٹشو سے ناک کو رگڑ ادیا۔ اس وقت دنیا جہاں کی معصومیت اسکے چہرے پر چھائی ہوئی تھی۔

"ہاں۔۔۔" اس کے حلق سے پھنسی ہوئی آواز نکلی۔ اسکی بے وقوفیوں کے قصّے تو پورے مری میں مشہور ہیں، تم کیوں آنکھیں بند کر کے چل پڑتی ہو اسکے پیچھے۔" انابیہ کو اس پر غصّہ آیا۔

"اب شرافت سے بتائو، کیا کرنے گئیں تھیں وہاں۔؟؟؟"

"برگد کے درخت پر منت کا دھاگہ باندھنے۔۔۔" طوبیٰ نے ہلکا سا جھجک کر بتایا۔ ویسے بھی سگی بہن سے کیا پردہ تھا اس کا۔

"اوہ میرے خدایا۔۔۔ وہ سو سالہ پرانا آسیب زدہ درخت۔۔۔؟" انابیہ کی آنکھیں خوف سے پھٹنے کے قریب آگئیں۔

"تم لوگ آدھی رات کو وہاں جا رہیں تھیں۔۔؟" اُسے ابھی تک یقین نہیں آیا۔

مجھے تو در شہوار نے کہا تھا۔۔۔" اس نے گھبرا کر اپنی صفائی دی۔

"ہاں ناں، در شہوار کہتی ہے، چاند کی چودھویں کو وہاں دھاگہ باندھنے سے دل کی ہر مراد پوری ہو جاتی ہے۔" طوبیٰ کا معصومانہ انداز اسے سلگا کر رکھ گیا۔

"شرم کرو، ایک مسلمان لڑکی ہو کر ایسا غلط عقیدہ، بھلا درختوں پر دھاگے ٹانکنے سے بھی دل کی مرادیں پوری ہوتی ہیں، ان کو پورا کرنے والی ذات تو انسان کی شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ بہت افسوس ہوا، تم ایسی فضول چیزوں پر یقین کرتی ہو۔۔" انابیہ نے اسے آڑے ہاتھوں لیا تھا۔

"بائی داوے، کون سی دل کی مراد تھی وہ، جس نے تمہیں جان ہتھیلی پر رکھنے پر مجبور کر دیا، اور تم اس بے وقوف کا ہاتھ پکڑ کر چل دیں۔" انابیہ نے محض اپنی معلومات میں اضافے کے لیے پوچھا۔

"پتا تو ہے، ایف ایس سی کا رزلٹ آنے والا ہے۔۔۔" اس نے نظریں چرا کر مزید کہا۔ "کیمسٹری کا پرچہ بھی تو بہت بُرا ہوا تھا۔ اسکے رنجیدہ لہجے پر انابیہ کو نہ چاہتے ہوئے بھی ہنسی آگئی تھی۔

''تم نے اور در شہوار نے پڑھا بھی کب تھا۔'' انابیہ نے یاد دلایا۔''یاد نہیں کیمسٹری کے پرچے سے ایک دن پہلے تو تم دونوں بندر پکڑنے کی مہم پر نکلیں ہوئیں تھیں پنڈی پوائنٹ پر۔'' انابیہ کی یاداشت بہترین تھی اور اس دن کا قصہ تو اسے ازبر تھا، کیونکہ ڈرائیور نے گھر آکر ان کا بھانڈا پھوڑ دیا تھا۔

''وہ تو شاہ میر کے ساتھ شرط لگی تھی ہماری۔۔۔'' اس نے جھٹ سے صفائی پیش کی۔

''وہ کون سا کسی سے کم ہے، اُس بندر والی بات کا جب تائی اماں کو پتا چلا تھا تو صاف مکر گیا کہ اس نے ایسی کوئی شرط لگائی ہی نہیں۔'' انابیہ نے اس کے پرانے زخم تازہ کر دیئے۔

''وہ تو ہے ہی خبیث روح۔۔۔'' طوبیٰ کو ایک دم ہی غصّہ آگیا۔

''دونوں بہن بھائی ہی ایک نمبر کے فسادی، اور سازشی ہیں، اب آج کا ہی واقعہ دیکھ لو، در شہوار کو کوئی کچھ نہیں کہے گا اور سارا نزلہ گرے گا تم پر، اس لیے بار بار سمجھاتی ہوں، ان دونوں بہن بھائیوں کی باتوں میں آنے کی ضرورت نہیں۔ انابیہ نے ایک دفعہ پھر اسے لمبا لیکچر دیا۔

''برہان بھائی تو ایسے نہیں ہیں۔۔'' طوبیٰ کے منہ سے نکلنے والے اس بے ساختہ جملے پر وہ ایک دم بلش ہوئی۔ طوبیٰ نے دلچسپی سے بہن کے چہرے پر اترتی دھنک دیکھ کر شوخی سے آنکھیں مٹکائیں۔

''وہ بھی تو شاہ میر اور در شہوار کے ہی بھائی ہیں، لیکن کوئی فالتو بات نہیں کرتے۔''

وہ تو خیر ''فالتو'' کیا ''ضروری'' بات بھی نہیں کرتے کیونکہ انہیں اس گھر میں کوئی اپنے لیول کا لگتا ہی نہیں۔۔'' انابیہ کو نکاح کے بعد برہان کا سرد رویہ بہت دکھی کرتا تھا۔ اسکا اظہار وہ اکثر ہی اٹھتے بیٹھتے نادانستگی میں بھی کر جاتی۔

''تو پھر کیا خیال ہے، ایک دھاگہ ان کے لیے بھی باندھ آئیں، برگد کے درخت پر۔'' طوبیٰ نے شرارتی انداز سے انابیہ کو چھیڑا۔

''فضول باتیں مت کرو طوبیٰ، میرے عقائد الحمد اللہ بالکل ٹھیک ہیں، تم اپنا قبلہ درست کرو،، ورنہ ندرت امّی، بابا کو بھڑکاتی رہیں گی ''ہاں بابا کو بھی تو پوری اور ہماری امّی بیچاری کی شامت آتی رہے گی۔ انابیہ کی حساس طبعیت کو اپنی ماں کا دکھی ہونا گوارہ نہیں تھا۔

http://paksociety.com

دنیا میں نیک، شریف اور ستی ساوتری قسم کی مخلوق بس ندرت امّی اور ان کی لے پالک اولاد، نمیرہ ہی لگتی ہے۔''طوبیٰ اپنے مخصوص منہ پھٹ انداز میں ناک چڑھا کر بولی۔

''بہت بُری بات ہے طوبیٰ، نمیرہ ہماری بھی تو سگی پھپھو کی بیٹی ہے۔۔۔''انابیہ نے اسے یاد دلایا۔

''کاش جس حادثے میں فوزیہ پھپھو اور ان کے شوہر کا انتقال ہوا، اس جہاز میں یہ کم بخت نمیرہ بھی ساتھ ہوتی۔''اس کے حسرت بھرے انداز پر انابیہ کو ہنسی آگئی۔وہ جانتی تھی کہ در شہوار اور طوبیٰ، دونوں کی نمیرہ سے بالکل نہیں بنتی تھی، اسکی بڑی وجہ اس کی لگائی بجھائی کی عادت تھی، اوپر سے وہ اپنے دونوں ماموں اور نانا کی بھی چہیتی تھی، یہ اور بات کہ در شہوار کے سامنے اکثر اسکا پتا بھی کٹ جاتا تھا۔

''ابھی تک پہنچی نہیں وہ''بی بی سی مری''چسکے لینے۔۔۔''انابیہ نے حیرانگی کا اظہار کیا ہی تھا کہ اسی لمحے ان کے کمرے کا دروازہ دھڑ کر کے کھلا اور نمیرہ کا پر جوش چہرہ سامنے دیکھ کر دونوں بہنوں کے ارمانوں پر اوس گر گئی۔

''سنا ہے، بہت بے عزتی خراب ہوئی ہے آج''کچھ''لوگوں کی۔''نمیرہ نے چیونگم چباتے ہوئے طنزیہ انداز میں طوبیٰ کا خفت زدہ چہرہ دیکھا۔

''تمہیں کس نے کہا۔۔؟''وہ صاف مکر گئی اور فوراً وظیفوں کی کتاب کھول کر خود کو مصروف ظاہر کرنے لگی۔

''شاہ میر بتا رہا تھا۔۔''نمیرہ نے کنکھیوں سے اسکے چہرے کے بدلتے تاثرات دیکھ کر چٹخارہ لیا۔

''ایک نمبر کا جھوٹا اور فسادی ہے وہ، اسے تو انڈیا کی سرحدوں پر چھوڑ آنا چاہیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔''وہ حسب عادت بھڑک اٹھی۔

''اوں ہوں۔۔۔''انابیہ نے ہلکا سا ہنکارہ بھر کر اسے زبان بندی کا اشارہ کیا۔

''ویسے کرنے کیا گئیں تھیں تم دونوں وہاں۔۔؟''اس نے دائیں بائیں دیکھ کر رازداری سے پوچھا۔

''تمہارے لیے رنگ گورا کرنے والی جڑی بوٹیاں لینے۔۔۔''طوبیٰ کے بے ساختہ انداز پر نمیرہ اچھی خاصی جھینپ گئی، اسے گھر کی باقی لڑکیوں کے مقابلے میں اپنی گندمی رنگت کا کمپلیکس بہت رہتا تھا۔

http://paksociety.com

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا

ہے پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

ہائی کوالٹی پی ڈی ایف

ایک کلک سے ڈاؤنلوڈ

کتاب کی مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ

ایڈ فری لنکس

ڈاؤنلوڈاور آن لائن ریڈنگ ایک پیج پر

ناولز اور عمران سیریز کی مُکمل رینج

Click on http://paksociety.com to Visit Us

پاک سوسائٹی کو فیس بُک پر جوائن کریں http://fb.com/paksociety

پاک سوسائٹی کو ٹوئٹر پر جوائن کریں http://twitter.com/paksociety1

پاک سوسائٹی کو گُوگل پلس پر جوائن کریں https://plus.google.com/112999726194960503629

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بُک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بُک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

''اچھا بکو مت۔۔۔''وہ ایک دم جھینپ گئی۔

''تمہارے سر کی قسم۔۔۔''طوبیٰ نے فوراہی جھوٹی قسم کھالی۔''خیر چھوڑو امتحان میں کامیابی کا وظیفہ ملا ہے مجھے، کرو گی۔؟''اس نے فوراہی نمیرہ کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا اور وہی ہوا، اسے اپنے آنے کا مقصد بھول کر رزلٹ کی فکر پڑ گئی۔

''قسم سے جلدی بتائو، میرا تو کیمسٹری کے ساتھ ساتھ پاک اسٹڈیز کا پرچہ بھی سخت بُرا ہوا تھا۔''وہ بے چینی سے اسکے بالکل پاس آکر بیٹھ گئی۔

''میں تو ابھی تک حیران ہوں، تم قائداعظم کے چودہ نکات کی بجائے اٹھارہ کیسے لکھ آئیں۔''طوبیٰ نے ہنس کر اسکا مذاق اڑایا، وہ درشہوار اور نمیرہ تینوں کلاس فیلوز تھیں، جبکہ انابیہ ان سے دو سال سنئیر تھی۔

''مسئلہ چودہ نکات کا نہیں ان زائد چار نکات کا تھا، جو مجھے پتا ہی نہیں چل رہے تھے کہ میرے کون سے ہیں اور قائداعظم کے کون سے۔؟''نمیرہ کے خجالت بھرے انداز پر دونوں بہنوں کے حلق سے نکلنے والا قہقہ بڑا بے ساختہ تھا۔

''اچھا، اچھا، اب تم دونوں مذاق مت اڑائو، اور وظیفہ بتائو جلدی سے، آج ہی شروع کرتی ہوں۔''وہ منہ بنا کر گویا ہوئی۔

''رہنے دو، مشکل ہے، تم نہیں کر سکو گی۔''طوبیٰ کے چیلنج دلاتے انداز پر نمیرہ پرجوش ہوئی۔''کیوں نہیں کر سکوں گی، تم بتائو تو سہی۔''

''درود شریف کی روزانہ پانچ سو دفعہ تسبیح، کر لو گی ایک ہی جگہ بیٹھ کر۔۔۔''طوبیٰ نے لاپرواہی سے بتاتے ہوئے کتاب بند کی۔

''پانچ سو تسبیح۔۔۔۔روزانہ۔۔۔؟؟؟ نمیرہ کے غبارے سے ہوا نکل گئی اور اس نے بوکھلا کر اپنی کزن کی شکل دیکھی۔

''میں نے کہا تھا ناں، تم نہیں کر سکو گی۔۔۔۔''ایک کمینگی سے بھرپور مسکراہٹ طوبیٰ کے چہرے پر ابھری، اس نے بھی نمیرہ کی نفسیات پر پی ایچ ڈی کر رکھی تھی اور وہی ہوا جس کا اسے یقین تھا۔۔

''ایسی بھی کوئی بات نہیں، ابھی جا کر شروع کرتی ہوں میں۔''وہ پرعزم انداز کے ساتھ اٹھی اور سرعت سے کمرے سے نکل گئی، اسکے نکلتے ہی طوبیٰ نے ایک آنکھ دبا کر انابیہ کی طرف شوخی سے اشارہ کیا، جو اسکی شرارت سمجھ چکی تھی۔

http://paksociety.com

"اب تم بھی یہیں وظیفہ کرو گی کیا۔۔۔؟ انابیہ پریس کیا ہوا سوٹ واڈروب میں ہینگ کرتے ہوئے شرارت سے بولی۔

"جی نہیں، اپنے لیے تو کوئی آسان سا ڈھونڈوں گی۔۔" وہ مسکراتے ہوئے ایک دفعہ پھر کتاب پر جھک گئی اور انابیہ کو اسکی بات پر نہ چاہتے ہوئے بھی ہنسی آگئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رومیصہ ٹی وی لائونج میں رکھے کائوچ پر افسردہ انداز میں لیٹی ایکوریم میں گولڈ فش کو تیرتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ اس کی نظریں ایکوریم کی لال پیلی روشنیوں پر اور دماغ کہیں اور پہنچا ہوا تھا۔ گولڈن فش پر سکون ماحول میں قلابازیاں کھا رہی تھی، اور کچھ ایسی ہی اچھاڑ پچھاڑ رومی کے دماغ میں جاری تھی۔ اس کے ماتھے کی ابھری ہوئی رگ اس کی اندرونی خلفشار کی عکاسی کر رہی تھی۔ ایک بے چارگی آمیز کرب اسکی نیلگوں آنکھوں سے صاف چھلک رہا تھا۔ یہ اسلام آباد کے ایف سیون سیکٹر میں واقع ایک اسٹائلش سے بنگلے کا اندرونی منظر تھا۔ اسکا انٹرئیر منفرد، دلکش اور دوسروں کی توجہ کو اپنی جانب مبذول کروانے تھا۔ لائونج کی ایک دیوار شیشے کی تھی، جس سے لان میں بنائی گئی مصنوعی آبشار، سوئمنگ پول اور بے تکلفی سے گھومتا ہوا مور ہر وقت نظر آتا تھا۔ اس بنگلے کے سیکنڈ فلور پر رومیصہ کی مام ٹینا بیگم کا مشہور معروف بیوٹی سیلون، سپا اور جم تھا، جسکا راستہ پچھلے لان کی جانب تھا، ساری آمد و رفت وہیں سے ہوتی تھی۔ فیشن انڈسٹری میں ٹینا بیگم کا نام کسی تعارف کی محتاج نہیں تھا، ان کے بیوٹی سیلونز کی ایک چین "ٹیناز" کے نام سے مختلف شہروں میں موجود تھی اور حال میں انہوں نے ایک ڈیزائنر لان بھی مارکیٹ میں متعارف کروا کر دھوم مچادی تھی۔ رومیصہ نے سائیڈ میز پر رکھے فیشن میگزین کو اٹھا ایک دفعہ پھر مجروح نگاہوں سے دیکھا، اس کے ایک سیگمنٹ شوبز مصالحہ میں ٹینا بیگم اور مشہور و معروف بیوروکریٹ سیف الرحمن کے تازہ ترین اسکینڈل کو بڑا ہائی لائٹ کیا گیا تھا اور تجزیہ نگار کا کہنا تھا ٹینا بیگم عنقریب اپنے تیسرے شوہر ہارون رضا سے جان چھڑا کر سیف الرحمن سے چوتھی شادی کرنے کے چکر میں ہیں۔ اس خبر نے رومیصہ کی روح تک پھرتی کو زخمی کر دیا تھا، پانچ فٹ سات انچ ہائیٹ کے ساتھ ٹینا بیگم ماڈلز والا فگر رکھتیں تھیں، چھیالیس سال کی عمر میں بھی ایک چلتی قیامت تھیں۔ فیشن میگزین میں ان کی کچھ تصاویر کو بڑے نمایاں انداز میں شائع کیا تھا جس میں ٹینا بیگم کے سلیولیس بلائوز اور شیفون کی ساڑھی میں جسم کے دلکش پیچ و خم بالکل نمایاں تھے۔ پہلے شوہر سے ٹینا بیگم کی دو بیٹیاں، شیری اور رومی تھیں اور اسکے بعد انہوں نے اولاد کے نام پر کوئی اور بچہ پیدا کرنے کی غلطی نہیں کی۔ ان کی بڑی بیٹی شیری یا ولیولز کے بعد لاء کی ڈگری لینے ملک سے

http://paksociety.com

باہر چلی گئی تھی اور چھوٹی رومیصہ عرف رومی ان کے ساتھ تھی۔ جس کے ساتھ ان کے تعلقات سخت کشیدہ رہتے تھے۔ اسکا اندازہ ٹینا بیگم، رومیصہ کو بھی ہائر اسٹڈیز کے لیے باہر بھجوانا چاہتیں تھیں اور رومی شیری کو پاکستان سے آنے والی فون کالز سے ہوتا رہتا۔ پاکستان چھوڑنے کے لیے کسی قیمت پر بھی تیار نہیں تھی۔ رات اسی بات پر پھر ماں بیٹی کے درمیان سخت جھگڑا ہوا، جس کے نتیجے میں رومی نے ان کا فرانس سے لایا گیا قیمتی ڈنر سیٹ توڑ دیا اور انہوں نے غصّے میں رومی کی گاڑی کی چابی چھین لی۔ اس کے بعد جو ہنگامہ ہوا، وہ بنگلے میں موجود نوکروں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا اور توبہ توبہ کی۔ اس وقت رومی انتہائی مضطرب انداز میں کائوچ پر لیٹی مختلف زہریلی سوچوں سے نبرد آزما تھی۔ اس کے اندر گویا غصّے کی آگ دہک رہی تھی۔ ٹینا بیگم کے آئے دن کے اسکینڈلز اور منفی شہرت نے اس کے مزاج پر عجیب سا اثر ڈالا تھا۔ ایک دن پہلے بھی اس کا اپنی کالج فرینڈز کے ساتھ اسی بات پر جھگڑا ہو گیا تھا جو اس کی مدر کے نئے اسکینڈل کو مزے سے سرِعام ڈسکس کر رہیں تھیں، پچھلے کچھ دنوں سے اس خبر نے اس کا سارا سکون درہم برہم کر رکھا تھا اور اسی وجہ سے وہ ٹینا بیگم سے لڑنے کے بہانے ڈھونڈتی، آئے روز کی اس خانہ جنگی سے گھر کے ملازم تک بیزار ہو چکے تھے۔ رومی نے کچھ سوچ کر اپنی بڑی بہن سے صاف صاف بات کر لینے کا ارادہ کر ہی لیا۔۔ اسکائپ پر کی جانے والی یہ کال شیری نے تیسری گھنٹی پر ریسیو کر لی۔ وہ اس وقت نیلگوں پانیوں کے شہر وینس میں اپنی کچھ فرینڈز کے ساتھ لندن سے چھٹیاں گذارنے آئی ہوئی تھی اور اس وقت سان مارکو چوک میں چہل قدمی کر رہی تھی۔۔

"کہاں ہو تم۔۔۔؟" رومی کا لہجہ سپاٹ اور قدرے بے رخی لیے ہوئے تھا۔ وہ اپنے سے چار سال بڑی بہن کو یوں مخاطب کرتی جیسے وہ اس سے آٹھ سال چھوٹی ہو۔ دونوں میں بے تکلفی نہ ہونے کے برابر تھی۔ شاید اسکی وجہ دونوں کے درمیان موجود ہزاروں میل کا فاصلہ تھا یا پھر شیری کی محتاط طبعیت اور کچھ خود ساختہ اصول تھے۔ وہ شروع ہی سے کم گو، ریزرو، اور مضبوط اعصاب کی حامل اپنے کام سے کام رکھنے والی لڑکی تھی، جب کہ رومی اسکے بالکل برعکس سوشل، آئوٹ اسپوکن اور شارٹ ٹیمپرڈ تھی۔

"وینس میں ہوں میں آجکل۔۔۔" شیری نے مختصر اجواب دیا۔

"کیا تم پاکستان آسکتی ہو۔؟" رومی کی اس غیر متوقع بات پر وہ ایک دم گھبرا گئی۔

"کیوں، کیا ہوا۔؟ تم ٹھیک ہو ناں۔"؟ شیری فکر مند ہوئی۔ اس کے لہجے میں چھپی محبت اور پریشانی کو محسوس کر کے رومی کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھر گئیں، کچھ بھی تھا وہ اسکی سگی بہن تھی۔ دونوں کا خون کا رشتہ تھا۔

http://paksociety.com

"رومی، کچھ تو بولو، سب کچھ ٹھیک ہے ناں۔؟" وہ اپنی فرینڈز کے گروپ سے تھوڑا علیحدہ ہوئی۔

"میں ٹھیک نہیں ہوں۔۔" رومی کے ضبط کا پیمانہ لبریز ہوا اور وہ بلک بلک کر رونے لگی۔

"کیا ہوا۔؟ مام تو ٹھیک ہیں ناں۔۔۔؟" وہ بوکھلا گئی۔

"ان کو کیا ہونا ہے، دوسروں کی زندگیاں حرام کر کے زیادہ خوش رہتی ہیں۔" رومیصہ کا لہجہ بھیگا ہوا، لیکن شکایتوں سے لبریز تھا۔ شیری کو کچھ نہ کچھ معاملے کی سمجھ آگئی تھی۔

"تمہارا امام کے ساتھ کوئی جھگڑا ہوا ہے۔؟؟؟" اس نے ہزاروں میل کے فاصلے پر اندازہ لگانے کی کوشش کی۔

"تم اس بات کو چھوڑو، واپس آسکتی ہو تو آجاؤ، ورنہ۔۔۔" اس نے ایک افسردہ سانس کھینچتے ہوئے بات ادھوری چھوڑی۔

"ورنہ کیا۔۔۔؟" شیری کو اسکا انداز غیر معمولی محسوس ہوا۔

"میں "سوسائیڈ" (خودکشی) کرلوں گی۔۔۔" رومی کے دوٹوک انداز پر وہ دم بخود رہ گئی، اسکا دماغ مائوف ہو گیا۔

دوسری طرف سے کال کاٹ دی گئی تھی لیکن شیری کا سارا سکون درہم برہم ہو گیا۔ وہ ایک دم ہی شہر رومان "وینس" کے حسن سے بیزار ہو گئی اور اسے اب ہر حال میں اپنا ٹرپ کینسل کر کے پہلی فلائیٹ سے پاکستان پہنچنا تھا۔ وہ فیصلہ جو وہ کافی عرصے سے نہیں کر پا رہی تھی، رومی کی ایک کال نے کروا دیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بلیو جینز پر سفید رنگ کا ٹاپ پہنے کندھے پر اپنا لیپ ٹاپ بیگ لٹکائے، دوسرے ہاتھ سے بریف کیس کو گھسیٹتی ہوئی وہ بے نظیر بھٹو انٹرنیشنل ائیر پورٹ سے باہر نکلی ہی تھی کہ گھنگھور گھٹائیں موتی نما بارش کے قطروں کے ساتھ چھم چھم برسنے لگیں۔ اس نے ایک لمبا سانس لے کر اپنے وطن کی مٹی کی خوشبو کو اپنے اندر سمیٹا، اور دل کے آخری کونے تک سکون اور اطمینان پھیلتا چلا گیا۔۔ وہ پورے آٹھ سال بعد لندن سے بار ایٹ لاء کی ڈگری کے ساتھ واپس لوٹی تھی۔

"کیسے ہو احمد بخش۔۔۔؟" پارکنگ میں کھڑی سیاہ ہنڈا سوک کی طرف بڑھتی ہوئی وہ اپنائیت سے بولی

"بالکل ٹھیک ہوں بی بی جی۔۔۔" احمد بخش کو یقین نہیں آرہا تھا کہ شیری بی بی کو ابھی تک اسکا نام یاد تھا۔

http://paksociety.com

پنڈی ائیر پورٹ سے اسلام آباد ایف سیون سیکٹر تک کے درمیانی فاصلے میں وہ ٹینا بیگم کے متوقع شدید ردعمل کے بارے میں سوچتی رہی، اور وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ گاڑی جیسے ہی ''ٹینا ہائوس'' کے پورچ میں داخل ہوئی مام کی غصّے سے چنگھاڑتی ہوئی آواز نے اس کا استقبال کیا، ان کا حسب معمول رومی کے ساتھ بلند آوزمیں کوئی جھگڑا چل رہا تھا۔ وہ دونوں ہی غصّے میں ارد گرد کے ماحول سے بے نیاز ہو جاتیں اور ان کی یہ عادت شیری کو سخت ناپسند تھی۔ اس نے خفت زدہ انداز سے ڈرائیور کی طرف دیکھا، جو لاپرواہی سے کان لپیٹے اسکا سامان اتار رہا تھا۔ اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ شاید ایسی آوازیں اس کی روٹین کا حصہ بن چکی تھیں۔ وہ مرے مرے قدموں سے اندر کی جانب بڑھی۔ تمہیں کچھ احساس ہے، ماں کس طرح اپنی ہڈیاں گھسا گھسا کر تم دونوں بہنوں کی پرورش کر رہی ہے۔'' ٹینا بیگم کی مشتعل آواز لائونج کے کھلے دروازے سے ہوتی ہوئی شیری کی سماعتوں سے ٹکرائی اور اس کے قدم زمین نے جکڑ لیے۔ بیٹیاں ہیں آپ کی، فرض بنتا ہے آپ کا۔۔۔'' رومی نے انتہائی بدتمیزی سے جواب دیا

''یہ فرض تو تمہارے باپ کا تھا، جو تمہاری پیدائش پر تین حرف طلاق کے بھیج کر چلتا بنا۔۔'' وہ تڑخ کر بولیں۔

''تو بتادیں ان کا نام و پتا، جا کر گریبان سے پکڑ لیتی ہوں انہیں بھی۔'' رومی کا لب و لہجہ شیری کے لیے اچھنبے کا باعث بنا۔ وہ تو بچپن میں انتہائی شرمیلی اور سوفٹ اسپوکن تھی۔

''ہاں، وہ خبیث تو جیسے پکڑنے دے ہی دے گا اپنا گریبان۔۔'' وہ استہزائیہ انداز میں گویا ہوئیں۔

''تو آپکو ایسے خبیث انسان سے شادی کرنی ہی نہیں چاہیے تھی۔'' رومی کے بدلحاظ لہجے نے انہیں مذید اشتعال دلایا۔

''اب تم مجھے بتائو گی، مجھے کس سے شادی کرنی چاہیے تھی اور کس سے نہیں۔۔'' وہ پھر سے بھڑک اٹھیں۔

''نہیں یہ فرض تو نانو کا بنتا تھا، جو انہوں نے بالکل بھی اچھے طریقے سے سرانجام نہیں دیا۔'' رومی کے تلخ جملے پر باہر کھڑی شیری کا جو حال ہوا تھا، اس سے دگنی بُری حالت ٹینا بیگم کی ہوئی تھی۔

''شرم آنی چاہیے تمہیں اپنی ماں سے ایسی باتیں کرتے ہوئے۔'' انہوں نے صدمے بھرے انداز سے اپنی سب سے چھوٹی اولاد کو دیکھا جو اس وقت لائونج کی گلاس وال کے پاس رکھے کائوچ پر بے تکلفی سے نیم دراز چیونگم چبا رہی تھی۔

http://paksociety.com

شیری نے ہلکا سا جھجک کر دروازہ کھولا۔ ٹینا بیگم پنک کلر کی نائٹی میں بالوں کو رول لگائے انتہائی غیر مناسب حلیے میں لائونج میں کھڑی تھیں۔ ایک تو وہ انتہاء کی حسین تھیں اور اوپر سے باقاعدگی سے جم اور ایکسر اسائز نے ان کے جسم کو انتہائی متناسب شیپ میں رکھا ہوا تھا۔ وہ کہیں سے بھی دو جوان بیٹیوں کی ماں

نہیں لگتیں تھیں۔

"السلام علیکم۔۔۔" شیری کی خفت زدہ آواز پر ٹینا بیگم پلٹیں اور ان کے ہاتھ میں پکڑا کارڈلیس چھوٹ کر کارپٹ پر جا گرا۔ وہ منہ کھولے شاکڈ نظروں سے اپنی بڑی بیٹی کو دیکھ رہی تھیں جو بغیر بتائے پاکستان آچکی تھی جبکہ رومی کا چہرہ سپاٹ تھا، وہ بڑے سکون سے چیونگم چبا رہی تھی جیسے یہی کام سب سے زیادہ اہم ہو۔

"مبارک ہو، کورم پورا ہو گیا۔ آپکی بڑی صاحبزادی بھی پہنچ گئیں۔ ویلکم شیری۔۔۔" رومی نے ماں کو چڑانے کے لیے زوردار تالی بجائی اور اٹھ کر بیٹھ گئی اور مسکرا کر اپنی ماں کا ہراساں چہرہ دیکھنے لگی۔ جیسے سرکس کا کوئی دلچسپ شو شروع ہونے والا ہو

"شیری تم، یہاں، کیسے۔۔۔؟" ٹینا بیگم ایک دم بوکھلا گئیں۔

"آئی ایم سوری مام، آپکو اور رومی کو بہت مس کر رہی تھی میں۔۔۔" شیری نے خفت زدہ انداز میں ایسے کہا جیسے وہ لندن سے نہیں راولپنڈی سے اٹھ کر اسلام آباد آگئی ہو۔

"تو بے وقوف لڑکی بتایا کیوں نہیں۔۔۔؟" ان کے لہجے میں جھنجھلاہٹ پیدا ہوئی ایسا لگ رہا تھا جیسے انہیں اسکی آمد پر قطعا کوئی خوشی نہ ہوئی ہو، الٹا وہ اسے دیکھ کر پریشان ہو گئیں تھیں۔

"میں نے رومی کو بتایا تھا رات۔۔۔" اُس نے سر جھکا کر شرمندگی سے اپنی صفائی دی۔ رومی کا نام سنتے ہی ٹینا بیگم جھاگ کی طرح بیٹھ گئیں۔ انہوں نے دانستہ اس بات پر تبصرہ کرنا مناسب نہیں سمجھا، ورنہ ایک اور عالمی جنگ کا آغاز ہو جاتا اور ان کے اعصاب تو آج ویسے ہی تھکے ہوئے تھے۔

"اٹس، اوکے۔۔۔ کتنے دن کے لیے آئی ہو۔۔" ان کے اگلے سوال پر وہ سسپٹا گئی اور گھبرا کر رومی کی طرف دیکھا۔

http://paksociety.com

یہ انوسٹی گیشن بعد میں بھی ہو سکتی ہے، اپنے ہی گھر میں آئی ہے وہ، آپ کا تو بس نہیں چل رہا، ہاتھ پکڑ کر اسے دوبارا واپس بھجوا دیں۔'' وہ اپنے مخصوص منہ پھٹ انداز میں گویا ہوئی، ٹینا بیگم نے جھنجھلا کر اسے دیکھا، جس نے انتہائی بد تمیزی سے ببل کا ایک اور غبارہ بنا کر فضائوں میں پھوڑا تھا۔

''بی ہیویور سیلف۔۔۔'' وہ ایک دم چڑ گئیں، جبکہ رومی نے استہزائیہ انداز سے انکی جانب دیکھا۔

''اب پتا چل گیا ناں، ڈرائیور کہاں گیا تھا، خوامخواہ سے لیکچر جھاڑ رہیں تھیں پچھلے ایک گھنٹے سے۔'' وہ ایک ہوش ربا انگڑائی لے کر کائوچ سے اٹھی اور شیری سے ملے بغیر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ شیری کو ایک دم دھچکا سا پہنچا۔

''اُس وقت سے فضول بحث کیے جا رہی تھی اسٹوپڈ اور یہ نہیں بتایا کہ ڈرائیور تمہیں لینے گیا ہے۔'' انہوں نے بھی شکایتوں کی پوٹلی کھولی۔

''اٹس اوکے مام، پلیز بی ریلکس۔۔۔'' وہ زبردستی ان کے گلے لگی، جبکہ دوسری طرف ہنوز سرد مہری تھی۔

''اب آ ہی گئی ہو تو تھوڑا ریسٹ کرو، آئی ایم گیٹنگ لیٹ، مجھے ریڈی ہونا ہے۔'' انہوں نے کھڑے کھڑے اپنے بالوں سے رول اتارے۔

''کہاں جا رہیں آپ۔۔۔؟''

''اپنے آفس۔۔۔'' انہوں نے عجلت بھرے انداز سے وال کلاک کی طرف دیکھ کر شیری کو شرمندہ کر دیا۔

''جانا ضروری ہے کیا۔۔۔؟'' اس نے ہلکا سا جھجک کر پوچھا اس کی امید بھری نگاہیں ماں کے چہرے پر ٹکی ہوئی تھیں۔ جو اس وقت خاصی بے چینی کا شکار لگ رہیں تھیں۔

''یس، آف کورس بیٹا، بحریہ والی برانچ میں ورکرز کا کوئی ایشو چل رہا ہے۔ تم سے رات ڈنر میں تفصیلی بات ہو گی۔'' وہ رسمی سے انداز میں اس کا دایاں گال ہلکا سا سہلا کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔ ان کے لائونج سے نکلتے ہی شیری، کے اندر چھن سے کچھ ٹوٹا۔۔ تھی، اس نے بھیگی پلکوں کے ساتھ بہت سالوں بعد بھی وہ اپنی ضرورت سے زیادہ حساسیت کو ختم کرنے میں کامیاب نہیں ہوئی کھڑکیوں کے سلائیڈز کھولے اور ٹینا ہائوس کا آسٹر یلین گھاس والا باغیچہ اس کے سامنے تھا۔ رومی کو گارڈننگ کا بے تحاشا شوق تھا اور

http://paksociety.com

وہ اکثر مالی کے سر پر سوار رہتی تھی۔ شیری تھکے تھکے انداز میں کائوچ پر آ کر لیٹ گئی۔ پاس رکھی سائیڈ میز پر ایک فریم میں رومی اور شیری کی اپنی ماں کے ساتھ ایک تصویر تھی، جو پچھلے سال ان دونوں کی لندن آمد کے موقعے پر بنائی گئی تھی۔ وہ فریم اٹھا کر غور سے دیکھنے لگی تھی۔ رومیصہ، شکلاً اور عادتاً بالکل اپنی ماں ٹینا بیگم کا پرتو تھی۔ انہی کی طرح دراز قد، شہابی رنگت اور برائون سلکی بالوں کے ساتھ نیلگوں آنکھیں۔ جو بھی ایک دفعہ دیکھ لیتا تو ضرور پلٹ کر دیکھتا۔ ان دونوں کے برعکس شیری کی آنکھوں کا رنگ ہلکا سنہری تھا جاذب نظر خدوخال کی حامل جن پر کسی ٹھہری ہوئی جھیل کا گماں ہوتا۔ وہ اپنی ماں اور بہن کی طرح بہت خوبصورت نہیں لیکن تھی۔ رنگت سپید، اور بال سنہری مائل بھورے تھے، جو اکثر اسٹیپ کٹنگ کی صورت میں اسکے کندھوں پر بکھرے رہتے۔ اسکی سحر انگیز شخصیت میں ایک محسوس کی جانے والی بے نیازی اور وقار تھا۔ شیری میں اپنی نانی ماہ پارہ بیگم کی طرح ایک گریس تھی اور اسکا نام بھی انہوں نے رکھا تھا۔ وہ علی گڑھ کی پڑھی ہوئیں ایک مہذب اور نفیس خاتون تھیں۔ جبکہ رومیصہ کا نام ٹینا بیگم نے خود لڑ جھگڑ کر رکھا تھا لیکن دونوں کی پرورش بچپن میں نانی کی گود میں ہی ہوئی تھی اور ان کے مرنے کے بعد ٹینا بیگم کو احساس ہوا کہ دونوں بیٹیوں کے مزاج میں زمین و آسمان کا فرق تھا اور یہ ماہ پارہ بیگم کا ہی حوصلہ تھا جو رومی جیسی ضدی لڑکی کو سنبھالے رکھتیں تھیں۔

وہ کائوچ پر لیٹی قدرے فاصلے پر رکھے ایکوریم میں گولڈ فش کو تیرتے ہوئے دیکھنے لگی۔ اچانک اسکے بالکل پاس رکھے کارڈلیس فون کی گھنٹی بجی اور اس نے بادل نخواستہ کال اٹینڈ کی، اسکا دل اس وقت اس قدر بوجھل تھا کہ وہ کسی سے بھی بات کرنیکی ہمت نہیں پا رہی تھی۔

"ہیلو۔۔۔" انتہائی بیزار لہجے میں وہ گویا ہوئی

"شہر زاد۔۔۔۔۔" ریسیور کے اندر سے نکلنے والی سرگوشی سن کر وہ یکدم نرم گداز کائوچ سے ایسے اچھلی، جیسے زوردار کرنٹ لگا ہو۔ اسے پورے بنگلے کی چھت اپنے سر پر گرتی ہوئی محسوس ہوئی۔

"ویلکم بیک۔۔۔" مردانہ وجاہت سے بھرپور اس آواز نے اسکا سارا سکون تہس نہس کر دیا۔

"آپ کون۔۔۔؟" اُس کی آواز ہلکی سی لڑکھڑائی۔

"پوری دنیا میں صرف ایک میں ہی تو ہوں، جو تمہیں شیری نہیں، تمہارے اصل نام "شہر زاد" سے پکارتا تھا، بھول گئیں کیا۔" اس کی سحر پھونکتی آواز سن کر شیری کا ریسیور پر جما ہاتھ ہلکا سا کانپ اٹھا تھا۔

"آپ ہیں کون۔۔۔؟" اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے دانستہ بے نیاز لہجے میں پوچھا۔ جیسے اسے بالکل نہ جانتی ہو۔

"تمہارا ہم زاد۔۔۔" اسکا لہجہ دل چرانے والوں جیسا تھا، شہر زاد سن ہو گئی۔

"اچھا کیا، تم واپس آ گئیں، انسان کب تک اپنی بنیادوں سے دور بھاگ سکتا ہے۔" اس نے بے تکلفی سے ایسے تبصرہ کیا جیسے دونوں کے درمیان خاصے گہرے مراسم رہے ہوں۔

"کون ہیں آپ۔؟؟؟" اس نے اس دفعہ اپنا لہجہ دانستہ سخت کیا۔

"بتایا ناں، تمہارا ہم زاد۔۔۔" وہ ابھی بھی غیر سنجیدہ تھا۔ وہ اسکو دیکھے بغیر بھی سمجھ سکتی تھی کہ اسکے لبوں پر کوئی شرارتی مسکراہٹ ہو گی۔

"کس نے بتایا، آپکو میرے آنے کا۔۔۔" وہ ہلکی سی جھنجھلاہٹ کا شکار ہوئی۔

"میرے دل نے۔۔۔" وہ شرارت سے قہقہ لگا کر ہنسا اور شہر زاد کو خوفزدہ کر گیا۔ اسی آواز سے ڈر کر تو وہ یہاں سے بھاگی تھی۔

شہر زاد نے گھبرا کر کال کاٹ دی اور بے اختیار اپنے سینے پر ہاتھ رکھ دیا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے دل پسلیاں توڑ کر باہر نکل آئے گا، اس نے پورے آٹھ سال کے بعد یہ آواز سنی تھی، وہ آج بھی نہیں جانتی تھی کہ وہ کون تھا۔ جو اس سے محبت نہیں عشق کا دعویٰ کرتا تھا۔ جس کے معنی خیز جملے، چین چراتا لہجہ اور وقت بے وقت رانگ نمبرز سے آنے والی کالز نے اسے پریشان کر رکھا تھا۔ تبھی ٹینا بیگم کے ایک دفعہ کہنے پر ہی وہ لندن آنے کے لیے تیار ہو گئی تھی کیونکہ اسے ڈر تھا کہ اس سحر انگیز آواز کا جادو اس پر نہ چل جائے۔ لیکن لندن آنے کے صرف آٹھ دن بعد ہی شہر زاد کو احساس ہو گیا تھا کہ وہ بھی اس ان دیکھے، انجان شخص کی محبت میں گرفتار ہو چکی ہے، جو اس کا ہم زاد ہونے کا دعوی کرتا تھا، مگر اسکے پاس اس سے رابطہ کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔

آنے والے دنوں میں وہ اپنی اسٹڈیز میں مگن ہو گئی تھی لیکن ٹین ایج کی اس محبت کی کسک کبھی نہ کبھی اسے بے چین ضرور کرتی تھی اور وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ پاکستان آنے کے بعد وہ سب سے پہلی کال اسی شخص کی اٹینڈ کرے گی، جس سے خوفزدہ ہو کر وہ یہاں سے بھاگی تھی۔

http://paksociety.com

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جی پی او چوک کی گہرے سبز رنگ کے قد آور، گھنے اور شاداب درختوں میں گھری ملکہ کوہسار ''مری'' کا جوبن آجکل عروج پر تھا۔ بیک سائیڈ پر اوپر کی طرف جاتی روڈ جو کشمیر پوائنٹ سے جاملتی تھی، اسی روڈ پر دو ڈھائی کینال پر بنا ''میر ہائوس'' آنے جانے والوں کی توجہ کا مرکز بنے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ سڑک پر لگے سیاہ رنگ کے گیٹ سے گھر کی طرف جاتی سڑک ڈھلوان کی صورت میں خاصی نیچے جاتی تھی، لان چونکہ سڑک سے چند فٹ نیچے اور گھر کی عمارت اس سے بھی کافی زیادہ نیچے تھی۔ اس لیے سڑک سے گذرنے والے گھر کی چھوٹی چھوٹی دیواروں کے اوپر لگی گرل سے ٹکڑیوں کی صورت میں بنے تین چار وسیع و عریض لان، صحن اور گھر کا پورچ بڑے آرام سے دیکھ سکتے تھے۔ گھر کے باہر کے صحن میں سرخ رنگ کی ٹائلیں لگی ہوئیں تھیں اور دو تین سیڑھیوں کے اسٹیپ کے بعد برآمدہ تھا جس میں دو دروازے کھلتے تھے، ایک دروازہ اندر کی طرف جانے والے کوریڈور میں اور دوسرا ڈرائینگ روم کی طرف جاتا تھا۔ سڑک پر بہت زیادہ آمدورفت ہونے کی وجہ سے اس گھر کی خواتین سامنے کا حصّہ کم اور گھر کی بیک سائیڈ پر موجود لان زیادہ استعمال کرتی تھیں، جہاں درشہوار نے ایک درخت پر جھولا بھی ڈال رکھا تھا۔۔ میر ہائوس کے دائیں جانب چھوٹے چھوٹے دو سرونٹ کوارٹرز بھی بنے ہوئے تھے۔ جن میں سے ایک چوکیدار اور اس کے خاندان کے لیے تھا۔ وہ لوگ میر فیملی کے آج مابدولت اپنی تین عدد کنیزوں کے ہمراہ سامنے والے لان میں شام کی چائے پئیں گے۔'' درشہوار نے کچن خاندانی ملازم تھے۔ سے چائے کی ٹرے لاتے ہوئے شاہانہ انداز میں اعلان کیا تو کنیزوں کا تازہ تازہ خطاب ملنے والی تینوں لڑکیاں تڑپ کر اٹھ بیٹھیں۔ وہ سب اس وقت نچلے پورشن کے لائونج میں موجود تھیں اور اور ان کی مائیں دوپہر کی نیند پوری کرکے ابھی بیدار نہیں ہوئیں تھیں۔

''کیا کہا تم نے۔۔۔؟'' انابیہ کو اپنی سماعتوں پر شک ہوا۔

''مابدولت آج چائے سامنے والے لان میں بیٹھ کر پئیں گے۔'' اُس نے ایک دفعہ پھر شاہانہ انداز میں اپنے فرضی کالر اٹھائے۔

''وجہ۔۔۔؟'' نمیرہ نے شیشے کے بھاری بھرکم ایش ٹرے سے اخروٹ توڑ کر منہ میں ڈالا اور بھنوئیں اچکا کر پوچھا۔

''بہت دن ہوگئے، نئے شادی شدہ جوڑوں کی چھچھوری حرکتیں نہیں دیکھیں مال روڈ پر، آج مابدولت کا فل ٹائم ''بھونڈی'' پروگرام دعوت عام ہے۔۔۔'' درشہوار نے کمال بے نیازی سے جواب دیا۔ ہے اور عوام الناس کو

''تمہیں پتا ہے ناں، سڑک سے ہمارے گھر کا پورا لان نظر آتا ہے۔۔۔'' انابیہ نے اسے یاد دلایا۔

"اسی لیے تو ہم وہاں تشریف آوری کا ٹوکرا رکھیں گے، تاکہ ہر "رنگین" اور "سنگین" منظر اپنی ان گناہ گار آنکھوں سے دیکھ سکیں ۔" در شہوار نے شرارتی انداز میں آنکھیں مٹکائیں۔

"مجھے تو معاف ہی رکھو، ہر دفعہ مجھے پھنسوا کر خود نکل جاتی ہو۔" طوبیٰ نے کشن سر کے نیچے رکھا اور بے تکلفی سے کارپٹ پر لیٹ گئی۔

"جو ڈر گیا، وہ مر گیا۔۔۔" در شہوار نے اس کو غیرت دلانے کی کوشش کی۔

"سمجھو میں تو مر ہی گئی۔۔۔" طوبیٰ نے اپنی ٹانگیں پھیلا کر ایک کشن آنکھوں پر بھی رکھ لیا۔

"طوبیٰ ٹھیک کہہ رہی ہے، داجی اور تایا ابا کا کچھ پتا نہیں، اگر آ گئے تو بھری جوانی میں مرحوم کر دیں گے ہمیں۔" انابیہ نے اسے ڈرانے کی کوشش کی۔ ویسے بھی وہ ان سب کے مقابلے میں تھوڑا سمجھدار اور محتاط طبعیت کی حامل تھی۔

"وہ ویک اینڈ کے درمیان میں کبھی نہیں آتے۔۔۔" در شہوار کی بھی داجی کے شب و روز پر کی گئی ریسرچ مکمل تھی۔

"وہ تو شاہ میر بھی گھوڑے گدھے بیچ کر سوتا تھا، یاد نہیں کل رات کیسے آنکھ کھل گئی تھی اسکی۔" طوبیٰ نے فوراً کشن منہ سے اٹھا کر در شہوار کو یاد دلایا۔ جنگل کے ناکام مشن پر جو عزت افزائی ہوئی تھی، اس کے زخم بھرنے میں ابھی کئی دن اور لگنے تھے۔

"تو ٹھیک ہے پیاری بہنو، میں یہ فرنچ فرائز، نگٹس اور پکوڑے اکیلے ہی بیٹھ کر کھا لیتی ہوں۔۔۔" در شہوار کی بات پر ان تینوں کو در شہوار بڑے مزے سے سڑک کے بالکل ساتھ والے لان میں بیٹھی چائے پیتے ایک دم سکتہ ہوا، جو لان میں جا کر ہی ٹوٹا تھا۔ ہوئے وہاں سے گذرنے والے لوگوں پر دلچسپ کمنٹس پاس کر رہی تھی، جس پر نہ چاہتے ہوئے بھی ان تینوں کو بار بار ہنسی آ رہی تھی۔

"شرط لگا لو، یہ سبز رنگ کے طوطیا سوٹ والی باجی کی شادی، بڑی ہی مشکلوں سے ہوئی ہے۔" لان کی تین فٹ اونچی دیوار پر لگی گرل سے باہر کا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔

"تم کیسے کہہ سکتی ہو۔۔۔؟" طوبیٰ نے ڈھیر سارے نگٹس اپنی پلیٹ میں ڈالتے ہوئے پوچھا۔ وہ تو شکر ہے در شہوار کی نظریں اس جو اس وقت ان کے گھر کی دیوار کی گرل سے ٹیک لگائے بڑے رومینٹک انداز میں تصویریں بنوا رہا تھا۔ کیپل پر جمی ہوئیں تھیں

http://paksociety.com

"جتنے اوچھے انداز سے یہ جڑ جڑ کر اپنے زرافے کی گردن والے میاں کے گلے میں بانہیں ڈال کر فوٹو بنوا رہی ہے، اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے۔" درشہوار نے بڑے ماہرانہ انداز سے تجزیہ کر کے اپنی کزنز کی طرف دیکھا جو دعوت شیراز اڑانے میں مصروف تھیں۔

"ہائے اللہ، میرے نگٹس کہاں گئے۔۔۔" درشہوار کو خالی پلیٹ دیکھ کر اچھا خاصا دھچکا لگا۔

"ہمارے پیٹ میں۔۔۔" نمیرہ نے انتہائی بدتمیزی سے ڈکار لیا۔

"اور کچھ میری پلیٹ میں۔۔۔" طوبیٰ نے شرارت سے اپنی پلیٹ اسکے سامنے لہرائی۔

"اللہ کرے مر جاؤ، تم لوگ ساری کی ساری، تمہارے دانتوں میں کیڑا لگے۔" وہ غصّے سے کھڑی ہوئی۔

"تمہیں کس نے کہا تھا بیٹھ کر مخلوق خدا کا مذاق اڑاؤ۔ نابیہ نے سب سے بڑی کزن ہونے کا فائدہ اٹھا کر اسے ڈانٹنے کی کوشش کی۔

"شرافت سے میری پلیٹ واپس کرو۔۔۔" درشہوار خطرناک ارادوں کے ساتھ طوبیٰ کی طرف بڑھی، جو اس کے عزائم بھانپ کر فورا دوسری طرف بھاگی اور ان کے لان کی دیوار ساتھ والے گھر کے لان کی دیوار کے ساتھ جڑی ہوئی تھی اور چھوٹی سی منڈیر کوئی بھی بچہ پھلانگ کر با آسانی دوسرے گھر میں جا سکتا تھا۔ طوبیٰ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، اس خالی گھر کی طرف چھلانگ لگا دی۔ اس گھر کا لان "میر ہائوس" کے بالکل برابر میں تھا اور جہاں سے سیڑھیاں نیچے گھر کی طرف جاتی تھیں۔ یہ گھر بھی خاصی ڈھلوان پر میر ہائوس کے بالکل برابر میں بنا ہوا تھا اور پچھلے ایک ماہ سے خالی تھا۔

"میں تمہیں کہہ رہی ہوں شرافت سے واپس کر دو میرے نگٹس۔۔۔" درشہوار نے دیوار کودتے ہوئے منہ پر ہاتھ پھیر کر دھمکی دی۔

"نہیں دیتی، جو کرنا ہے، کر لو۔۔۔" طوبیٰ نے جواباً اسے منہ چڑایا اور ایک ساتھ دو نگٹس منہ میں ڈال لیے۔

"تمہاری تو ایسی کی تیسی۔۔۔" درشہوار اسکے پیچھے سیڑھیوں کی طرف بھاگی تو طوبیٰ نے سیڑھیوں سے آگے لمبی ساری روش کی طرف دوڑ لگائی اور جیسے ہی وہ گھر کے پاس پہنچیں۔ اندر کا دروازہ کھلا، بلیک جینز پر گرے رنگ کی ٹی شرٹ پہنے گھریلو سے حلیے میں محمد ہادی باہر نکلا۔ دراز قد، صاف رنگت کے ساتھ شہد رنگ آنکھوں والا یہ نوجوان اچھا خاصا ہینڈسم تھا۔ درشہوار اور طوبیٰ دونوں کو

http://paksociety.com

ہی حیرت کا شدید جھٹکا لگا جب کہ دوسری طرف اوپر گرل سے جھانکتی نمیرہ اور انابیہ گھبرا کر مذید گرل پر جھک کر نیچے دیکھنے گئیں ،وہ درشہوار اور طوبیٰ کی بے عزتی کا منظر لائیو دیکھنا چاہتی تھیں۔

"جی فرمایئے۔۔۔"ناگواری کا ایک ہلکا سا تاثر محمد ہادی کی آنکھوں میں ابھرا۔

وہ انہیں کوئی ٹورسٹ سمجھا تھا جو اکثر تصویریں بنانے کے چکر میں اکثر ہی کھلے گیٹ سے نیچے جاتی سیڑھیوں کا پرکشش منظر دیکھ کر نیچے آجاتے تھے۔

"وہ۔۔۔۔یہ۔۔۔ہم لوگ پڑوس سے آئے ہیں۔"طوبیٰ نے بوکھلا کر اپنے گھر کی طرف اشارہ کیا۔

"فرمایئے،کیسے آنا ہوا۔؟محمد ہادی کے لہجے میں چھلکتی بے رخی پر وہ دونوں ہی سسپٹا گئیں۔

"یہ نگٹس،میری امّی نے بھجوائے ہیں۔۔"طوبیٰ نے گڑبڑا کر ہاتھ میں پکڑی پلیٹ ہادی کی طرف بڑھائی۔

"یہ۔۔۔۔"اُس نے سخت حیرانگی سے پلیٹ میں رکھے چار پانچ چھوٹے چھوٹے نگٹس کو دیکھا۔

"جی۔۔۔۔جی۔۔۔"طوبیٰ ڈھٹائی سے مسکرادی۔

"تھینکس۔۔۔۔"اس نے سنجیدگی سے پلیٹ پکڑی،درشہوار کا دل بیٹھ گیا۔

"ٹھہریئے،ابھی خالی کر کے لادیتا ہوں ہوں آپکو۔۔۔"وہ سنجیدگی سے پلیٹ اٹھا کر اندر کی جانب بڑھ گیا۔

"اللہ کرئے مر جائو تم۔۔۔"درشہوار نے غصّے سے طوبیٰ کو بددعا دی۔

"ویسے بندہ شاندار ہے۔۔۔"طوبیٰ نے شرارت سے ایک آنکھ دبا کر لوفرانہ سا اشارہ کیا۔محمد ہادی دو ہی منٹ کے بعد باہر تھا۔

"تھینک یو سسٹر۔۔۔۔"اس نے خالی پلیٹ طوبیٰ کی طرف بڑھاتے ہوئے سنجیدگی سے کہا تو سسٹر کے الفاظ پر طوبیٰ کے چہرے پر پھیلنے والے تاثرات دیکھ کر درشہوار نے بمشکل اپنی ہنسی کو حلق میں ہی دبایا

"کم بخت رف اینڈ ٹف حلیے میں بھی کسی ہیرو سے کم نہیں لگ رہا۔"درشہوار نے دل ہی دل میں سوچا۔

"اب میں جائوں۔۔۔؟"اسکی بات پر وہ دونوں گڑبڑا گئیں۔

"ایک منٹ پلیز، یہ بتایئے گا کہ یہ گھر تو پچھلے ایک ماہ سے خالی پڑا تھا، آپ کب آئے۔؟" در شہوار کی بات پر وہ ہلکا سا الجھا۔

"تین دن پہلے۔۔" اُس نے نپے تلے انداز میں جواب دیا۔

"تو کیا اب یہیں رہیں گے آپ۔۔۔؟" طوبیٰ نے خاصے احمقانہ انداز میں پوچھا۔

"ظاہر ہے، میرا گھر ہے تو یہیں رہوں گا۔۔" محمد ہادی نے بیزاری سے اپنے سامنے کھڑی دونوں لڑکیوں کو دیکھا، جن کی آنکھوں میں شرارت ٹپک رہی تھی اور ہادی کو ایسی شوخ و چنچل لڑکیوں سے بڑی الجھن ہوتی تھی۔

"میرا یہ مطلب تھا، کیا آپ یہاں سیر و سیاحت کے لیے آئے ہیں۔" طوبیٰ نے کسی ٹی وی اینکر کی طرح پوچھا۔

نہیں، پوسٹنگ ہوئی ہے میری۔۔" محمد ہادی نے اس دفعہ ذرا روکھے لہجے میں جواب دیا۔"

"کس ڈیپارٹمنٹ میں۔۔۔؟" در شہوار کی زبان پھسلی۔

"فارسٹ ڈیپارٹمنٹ میں۔۔۔" اس نے بادل نخواستہ جواب دیا، جیسے کہنا چاہ رہا ہو کہ اب جان چھوڑو۔

دوسری طرف خلاف توقع میر ہائوس میں داجی کی لینڈ کروز اندر داخل ہو چکی تھی۔ جو کسی ضروری میٹنگ کے سلسلے میں اپنے پی اے پہنچے تھے۔ انہوں نے گھر میں داخل ہوتے ہی خاصی ناگواری کے ساتھ نمیرہ اور انابیہ کو دوسرے گھر میں کے ساتھ اچانک ہی وہاں جھانکتے ہوئے دیکھا۔ پورچ چونکہ نیچے تھا، اس لیے انہیں سر اٹھا کر اوپر دیکھنے میں ذرا دقت ہو رہی تھی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔۔؟" وہ پورچ میں کھڑے بلند آواز میں دھاڑے اور انابیہ اور نمیرہ کی روح فنا ہو گئی۔

"مارے گئے۔۔۔" انابیہ کا رنگ فق ہو گیا۔ جب کہ نمیرہ نے بوکھلاہٹ میں ہاتھ میں پکڑا پکوڑا کھینچ کر در شہوار کے سر کا نشانہ لے کر مارا جو ایک دم ٹھک کر کے در شہوار کی گردن سے ٹکرایا۔

"کیا مصیبت ہے۔۔۔؟" در شہوار ایک دم اچھلی اور سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔

جب کہ محمد ہادی نے بھی اس حرکت پر ناگواری سے کھڑے کھڑے پہلو بدلا اور در شہوار کی نظروں کے تعاقب میں اوپر دیکھا، جہاں نمیرہ اور انابیہ دیوار پر لگی گرل پر جھکی ہوئیں تھیں۔

http://paksociety.com

"بھاگو۔۔۔۔۔ داجی آگئے۔۔۔" نمیرہ کی آواز نے گویا مری کی فضائوں میں صور پھونک دیا۔

"اوہ نو۔۔۔" در شہوار اور طوبیٰ دونوں کو چار سو بیس والٹ کا جھٹکا لگا۔

"اب کیا کریں۔۔۔؟" طوبیٰ نے ہراساں نگاہوں سے اپنی تایازاد کزن کو دیکھا۔ ایسی سچویشن میں در شہوار کی عقل خاصی تیزی سے کام کرنے لگتی تھی۔ اس نے آئو دیکھا نہ تائو اور طوبیٰ کا ہاتھ پکڑا اور محمد ہادی کے گھر کے پچھواڑے کی طرف دوڑ لگا دی۔

"ارے رے یہ کہاں جا رہی ہیں آپ۔۔۔؟" وہ ایک دم بوکھلا گیا۔

جب کہ وہ دونوں دیکھتے ہی دیکھتے چیتے کی سی رفتار سے بھاگتی ہوئیں اسکے گھر کے پچھلے لان کی طرف گئیں اور دونوں نے جمپ لگا کر مشترکہ چھوٹی دیوار عبور کی، اور چھلاوے کی طرح غائب ہو گئیں۔ جب کہ وہ اپنی جگہ پر ہکا بکا رہ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مری کے سر سبز پہاڑوں پر رقص کرتے بادلوں کو ایک دم ہی جوش آیا اور بارش کی بوندیں چھتوں پر جلترنگ بجانے لگیں۔ محمد ہادی میں کافی کے دو بڑے کپ اور سینڈوچ رکھے لائونج میں داخل ہوا۔ جہاں وہ اپنے بیسٹ فرینڈ سعد کے ساتھ کا ملازم گل خان ٹرے بیٹھا ہوا تھا۔ محمد ہادی کا تعلق بہت ویل اسٹیبلش اور ویل ایجوکیٹڈ گھرانے سے تھا۔ وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھا۔ اس نے ایم پاکستان فارسٹ انسٹیوٹ پشاور سے اور ایم ایس کی ڈگری یو کے کی ایک مشہور یونیورسٹی سے (Forestry) ایس سی فارسٹری کر کے کمیشن کا ایگزام پاس کیا اور اس کی پہلی پوسٹنگ مری میں تھی جہاں اسکا بیسٹ فرینڈ سعد پہلے سے پوسٹڈ تھا۔

"بس تم اپنا بوریا بستر اٹھائو، اور شفٹ ہو جائو یہاں، میں اتنے بڑے گھر میں اکیلا نہیں رہ سکتا۔ ہادی کی بات پر وہ مسکرائی تھی

"ویسے انکل نے گھر تو زبردست بنا رکھا ہے، اور ہے بھی مین روڈ پر۔" سعد نے توصیفی نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا۔

"ہاں پچھلے کئی سالوں سے تو رینٹ پر تھا اور اب پاپا نے میرے لیے خالی کروایا ہے اسے۔" وہ لاپرواہی سے فلور کشن پر بیٹھ گیا۔

"بہت لکی ہو یار، ادھر میں ایک گندے سے ایک کمرے کے فلیٹ میں سڑ رہا ہوں۔"

"اسی لیے تو گدھے کہہ رہا ہوں، آجائو یہاں، تین بیڈ رومز بالکل خالی ہیں۔" محمد ہادی نے اسے کھلے دل سے آفر کی۔

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com

"شادی کیوں نہیں کر لیتے تم، آنٹی کی بھی خواہش پوری ہو جائے گی۔" سعد ہلکے سے توقف کے بعد گویا ہوا۔

"ڈفر انسان، میں تمہیں شفٹ ہونے کا کہہ رہا ہوں اور تم الٹے مشورے دے رہے ہو مجھے۔" وہ ہلکا سا چڑ گیا۔

"یار اس مہینے کا کرایہ پورا دے چکا ہوں فلیٹ کا۔" سعد نے اپنی مجبوری بتائی۔

"تو کیا ہوا، کسی غریب کا بھلا بھی ہو جانے دیا کرو، میں بتا رہا ہوں، آ جاؤ، ورنہ میں اپنی پوسٹنگ کے لیے بھاگ دوڑ کرنے لگا ہوں۔" محمد ہادی نے اس

دفعہ اسے ڈاریکٹ دھمکی دی، جس کا خاطر خواہ اثر ہوا

"اچھا اچھا ویک اینڈ پر اٹھا کر لائوں گا اپنا جہیز، ابھی تو آفس سے آنے کے بعد ہمت ہی نہیں ہوتی، اوپر سے ڈی ایف او اتنا اکھڑ مزاج ہے، اسے صبح و شام آفس وزٹ کرنے اور نئے نئے کام کرنے کے دورے پڑتے رہتے ہیں۔" سعد نے ابھی اپنی بات مکمل کی ہی تھی کہ بجلی چلی گئی اور ہر طرف اندھیرا چھا گیا ویسے بھی پہاڑوں پر سورج جلد غروب ہو جاتا تھا۔

"لو پھر لائٹ چلی گئی۔۔۔" کافی پیتے ہوئے محمد ہادی ایک دم بیزار ہوا۔

"گل خان پلیز جنریٹر چلاؤ۔" اسکی آواز پر گل خان بھاگتا ہوا کچن سے نکلا۔

"جی صاحب جی۔۔۔" گل خان ادھیڑ عمر مرد تھا اور بہت سالوں سے اس گھر کی چوکیداری اور دوسرے کاموں پر معمور تھا۔

"لیکن اس سے پہلے، یہ کھڑکیاں بند کرو، بارش کی بوچھاڑ ڈاریکٹ اندر آ رہی ہے۔" ہادی کو بارش سے بڑی کوفت ہوتی تھی۔

"جی صاحب۔۔۔" گل خان نے لپک کر حکم کی تعمیل کی۔

"زہر لگتی ہے مجھے جنریٹر کی آواز، پتا نہیں یہاں کے لوگ کیسے رہ لیتے ہیں ایسے موسم کے ساتھ، جب دیکھو بارش، جب دیکھو سرد ہوائیں۔" محمد ہادی کو مری

کا موسم بالکل پسند نہیں تھا۔

"تو یار یو پی ایس لگوا لو ناں، پرابلم کیا ہے۔" سعد نے شرارت سے ایک اخروٹ اسکی طرف اچھالا۔

http://paksociety.com

"ہاں، کوئی پکا بندوبست ہی کرنا پڑے گا اس فضول جگہ پر رہنے کے لیے۔" اُس نے بُرا سا منہ بنایا۔

"ابھی تو میرے جگر کو یہاں آئے صرف تین دن ہوئے ہیں، کیسے گذارا ہو گا تمہارا۔" سعد نے اسے شوخ لہجے میں چھیڑا۔

"سوچ رہا ہوں پاپا سے کہہ کر واقعی پوسٹنگ کروالوں ادھر سے اپنی۔" اسکی بات پر سعد کو کرنٹ لگا۔

"خبردار ایسا سوچا بھی، اٹھا کر پھینک دیں گے تمہیں کسی اور ریجن میں۔" سعد نے اسے ڈرایا۔

"کم از کم یہاں سے تو اچھا ہو گا۔۔" وہ بیزاری سے ایک تسلسل سے برستی مینہ کی بوندوں کو دیکھنے لگا۔

"تم نے ابھی دیکھے کہاں ہیں یہاں کے دلکش نظارے، میں ایسے ہی تو نہیں ٹکا ہوا یہاں۔" سعد ایک آنکھ میچ کر شرارت سے ہنسا۔

"سخت الرجک ہوں میں ان چیزوں سے، مجھ پر کسی چیز کا اثر نہیں ہوتا۔" ہادی نے کافی کا مگ اٹھاتے ہوئے اسے یاد دلایا۔

کاٹائٹیل ملا تھا تمہیں۔" سعد قہقہہ لگا کر ہنسا، اُسے وہ منظر یاد آگیا جب arrogant man "پتا ہے مجھے اسی لیے تو ڈیپارٹمنٹ میں فیئرویل فنکشن پر وہ اپنا ٹائٹیل لینے اسٹیج پر گیا اور بغیر تھینکس کہے واپس لوٹ آیا تھا۔"

"ساری فضول اور بے ہودا باتیں چن چن کر یاد ہیں تمہیں، یہ بتاؤ، ساتھ والے بنگلے میں کون رہتا ہے۔؟" ہادی کو ایک دم وہ اول جلول لڑکیاں یاد آئیں تو یونہی پوچھ بیٹھا۔

"دائیں یا بائیں۔۔۔؟" سعد نے شرارتی لہجے میں پوچھا اور اسی وقت لائٹ آگئی۔

"رائٹ سائیڈ پر۔۔۔؟" اُس نے دانستہ اپنے لہجے کو انجان بنایا۔

"ادھر تو کبھی بھول کر بھی نہ دیکھنا، پتھر کے ہو جاؤ گے۔۔۔" وہ ایک دم سنجیدہ ہوا۔

"کیوں، آسیب بستا ہے وہاں یا جن بھوت رہتے ہیں وہاں۔" ہادی نے منہ بنا کر اسکی طرف دیکھا۔

"ایسا ہی سمجھو، میر حاکم علی کے دو بیٹے اور ان کا خاندان آباد ہے یہاں۔" اس نے سنجیدگی سے اسکی معلومات میں اضافہ کیا۔

"وہ جو ایم این اے میر محتشم کے والد ہیں اور جنوبی پنجاب کی سیٹ پر الیکشن لڑتے ہیں۔" محمد ہادی نے حیرانگی سے پوچھا۔

"ہاں ہاں وہی۔۔۔" سعد نے ریموٹ کنٹرول سے ٹی وی کی آواز کم کی۔

http://paksociety.com

"تو یہاں سے لڑیں نہ الیکشن، وہاں کی سیٹ پر کیوں قبضہ جمار کھا ہے۔" ہادی کو ویسے ہی پولیٹکس سے شدید نفرت تھی اور حاکم علی کے خاندان کی کرپشن

کے قصّے بھی آئے دن سننے کو ملتے تھے۔

"یہاں سے حاکم صاحب اپنے پوتے وہاج کو لڑائیں گے اس دفعہ الیکشن۔۔۔" سعد نے سنجیدگی سے مذید بتایا۔ "اور تمہیں پتا ہے، بہاولپور اور ملتان میں بے تحاشا زمینیں ہیں ان کی۔"

"جانتا ہوں سب کی سب ان کے ابا تو اجداد کو انگریزوں کی غلامی اور چمچہ گیری کرنے پر ملیں تھیں اور وہی جائداد وراثت میں چلی آرہی ہے ان کے پاس" ہادی کو بھی اچھی خاصی معلومات تھیں۔

"لیکن بیٹا جی، کمیشن کا ایگزام پاس کر کے اور فارسٹ آفیسر بن کر یہ مت سمجھ لینا کہ تم پنگا لے سکتے ہو اس خاندان سے۔" سعد نے ڈھکے چھپے انداز میں اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"کیا مطلب۔۔۔؟" ہادی نے الجھ کر اپنے بیسٹ فرینڈ کا چہرہ دیکھا۔

"مری میں بھی ٹمبر مافیا کے پیچھے محتشم صاحب کے چھوٹے بھائی خاقان صاحب کا نام لیا جاتا ہے، لیکن آج تک کوئی بھی ان کا کچھ اس دفعہ ذرا کھل کر بتایا کیونکہ بات اب ان کے اپنے ڈیپارٹمنٹ کی تھی۔ نہیں بگاڑ سکا۔" سعد نے

"اس سے پہلے کوئی میرے جیسا آفیسر پوسٹڈ بھی نہیں ہوا ہو گا یہاں۔" وہ طنزیہ انداز میں مسکرایا۔

"میری تین سالہ سروس میں کئی آئے اور کئی گئے یہاں سے۔" سعد نے بھی اس کی غلط فہمی دور کرنے میں دیر نہیں لگائی۔

"چلو دیکھتے ہیں، کس میں ہے کتنا دم۔۔۔" محمد ہادی نے اٹھ کر کھڑکیوں کے بھاری پردے آگے کیے تو وہ اسے دیکھتا رہ گیا، اتنا تو وہ بھی جانتا تھا کہ محمد ہادی ایک دفعہ جو ٹھان لیتا تھا اس سے ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

درشہوار نے دنیا جہاں کا غم اپنے لہجے میں سموتے ہوئے انتہائی مشکل سے "ہم چاروں ہی بہت غلط گھرانے میں پیدا ہوئیں ہیں۔" رنجیدہ شکل بنا کر اپنی تینوں کزنز کو دیکھا۔ اس وقت وہ سب داجی سے جھاڑ کھانے کے بعد اپنا غم غلط کرنے کے لیے ٹی وی لاؤنج میں

موجود تھیں، جو اوپر والے پورشن میں تھا۔ اس تعزیتی اجلاس کا انعقاد در شہوار نے ہنگامی بنیادوں پر کیا تھا اور ویسے بھی ہر شرارت اہم فریضہ بھی اسے ہی سرانجام دینا پڑتا تھا۔ اس وقت انابیہ اور الٹے کام میں وہ سب کی لیڈر ہوتی تھی اس لیے وقتاً فوقتاً دلجوئی کا صوفے پر نیم دراز اور نمیرہ نے کرسی سنبھال رکھی تھی جبکہ در شہوار اور طوبیٰ دونوں غم سے نڈھال فلور کشن پر بیٹھیں ہوئیں تھی، اسی کمرے کے ایک کونے میں خاندانی ملازمہ رشیدہ کی سولہ سالہ بیٹی صندل بھی موجود تھی، جسکا اہم کام، کھانے پینے کی اشیاء کی ترسیل نچلے پورشن سے اوپر والے پورشن

میں کرنا اور میرہائوس کی چاروں باجیوں کی دلچسپ گفتگو سننا تھا۔

"آئے ہائے بُرے نصیب ہمارے۔۔۔" در شہوار نے انگڑائی لیتے ہوئے ملازمہ صندل کو دیکھا جو مسکرا رہی تھی، اسے ایک دم تپ چڑھ گئی۔

"تمہارے بڑے دانت نکل رہے ہیں صندل صاحبہ، خیر تو ہے۔؟" اس نے طنزیہ نگاہوں سے صندل کو دیکھا، جو اسکا ہی پرانا سوٹ پہنے اسی پر ہنس رہی

تھی اور اس بات نے در شہوار کے تن بدن میں آگ لگا دی۔

"ارے نئیں نئیں بی بی جی، میں تو بس آپکی باتیں غور سے سن رہی تھی۔۔۔" اُس نے بوکھلا کر اپنے دانت چھپانے کی کوشش کی۔

تو ہم کون سا کسی خزانے کا راز بتا رہے ہیں ایک دوسرے کو۔۔۔" طوبیٰ نے بُرا سا منہ بنا کر ناک سے مکھی اڑائی۔"

"جائو اپنے ابا سے کہو گیٹ پر جیسے ہی پزا ہٹ سے ڈلیوری آئے تو وہیں سے نقارہ نہیں بجانا، بلکہ صندل شہزادی کو بلوانا ہے۔"

در شہوار کی بات پر سب کزنز

کے کان کھڑے ہو گئے۔ صندل کے والد اس گھر کے چوکیدار کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔

"مجھے کیا کرنا ہو گا ابا کے پاس جا کر۔۔" صندل کے ہونق انداز پر وہ جھنجھلا گئی۔

"تمہارا کام ہے کتھک ڈانس کرنا، وہ بھی پزا سر پر رکھ کر۔" در شہوار کے چڑنے پر وہ تینوں بے ساختہ ہنس پڑیں۔

"لیکن، مجھے تو وہ نہیں آتا۔۔۔" صندل کی سادگی میں پریشانی کا عنصر نمایاں ہوا۔

http://paksociety.com

"زیادہ اوور ایکٹینگ کرنے کی ضرورت نہیں، جاؤ اور پزا کی پیمنٹ کر کے اوپر لاؤ، سمجھی۔" در شہوار نے منہ بنا کر اپنا پرس اٹھایا۔

"آدھے پیسے میں ہر گز نہیں دوں گی۔۔۔" انابیہ نے فورا لقمہ دیا۔

"اور میری طرف سے بھی انکار ہی سمجھو۔۔۔" نمیرہ کا موڈ شام والے واقعے کے بعد خاصا بگڑا ہوا تھا۔

"اور میرا تو تمہیں پتا ہی ہے آجکل ہاتھ کتنا تنگ ہے۔" طوبی نے اپنے لہجے میں دنیا جہاں کا درد سمویا۔

"عوام تسلی رکھے، اس ڈلیوری کا بوجھ ہم غریب عوام پر نہیں ڈالیں گے، بلکہ شاہی خزانے سے ادا کیا جائے گا۔" در شہوار نے شاہانہ انداز سے کہتے ہوئے اپنے والٹ کی زپ بڑی ادا سے کھولی اور ہزار کا کڑکتا ہوا نوٹ باہر نکالا اور اپنے سر سے وارنے ہی لگی تھی کہ صندل ایک دفعہ پھر کفن پھاڑ کر حیران لہجے میں

بولتی ہوئی ان سب کے چھکے چھڑا گئی۔

"لیکن بی بی جی، یہاں کس کی "ڈلیوری" ہو رہی ہے، آپ میں سے تو کسی کی بھی شادی نہیں ہوئی۔" ان پڑھ، سیدھی سادھی صندل کی بات پر نمیرہ کے حلق سے ایک چھت پھاڑ قسم کا قہقہ بر آمد ہوا۔ طوبی اور انابیہ بھی ہنس پڑیں جبکہ در شہوار کا منہ سرخ ہو گیا۔

"کم بخت صندل چار جماعتیں پڑھ لیتی تو کم از کم ہم چار حسینائوں کی زندگی تو آسان ہو جاتی ہے۔ اب مذید بونگی مارنے سے بہتر چھاتہ ساتھ لے لینا بارش ہو رہی ہے، تمہاری تو خیر ہے ہمارا پزا نہ بھیگ جائے کہیں۔" در شہوار نے اسے ہے، گیٹ پر جاؤ اور سنو جھاڑتے ہوئے باہر کی طرف جانے کا اشارہ کیا

جسے سنتے ہوئے اسکا منہ بن گیا۔

"بی بی جی، بڑے ہال سے چلی جاؤں، جلدی پہنچ جاؤں گی۔" صندل کو رات کے وقت پچھلے لان سے لمبا چکر کاٹ کر آگے جاتے ہوئے ہمیشہ ڈر لگتا تھا۔

"وہاں تمہارے کچھ لگتے برہان لالہ بیٹھے ہیں، پزا دیکھ کر تمہیں جلدی پہنچا دیں گے اور وہ بھی اوپر۔ سمجھی۔" در شہوار نے کھا جانے والی نگاہوں سے چوکیدار

بہادر علی کی بزدل بیٹی کو دیکھا جس کا سارا خاندان سرونٹ کوارٹر میں مقیم تھا۔

"اچھا اچھا بی جی، جاتی ہوں۔۔۔"صندل بادل نخواستہ پچھلے کوریڈور کی طرف جاتی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

"ہاں تو بہنو، میں کیا کہہ رہی تھی کہ ہم چاروں ہی غلط گھرانے میں پیدا ہو گئیں ہیں۔"در شہوار نے تعزیتی اجلاس دوبارا شروع کیا۔اوپر والے پورشن کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے شاہ میر نے اپنی بہن کا یہ دکھی جملہ سن کر بمشکل اپنے قہقے کو دبایا۔

"اگر تم "چار" کی بجائے "دو" لڑکیاں کہہ لو تو بات ذرا زیادہ واضح ہو جائے۔"شاہ میر کی اچانک انٹری پر وہ چاروں ہڑبڑا کر اٹھیں اور اپنے اپنے ڈوپٹے

ڈھونڈنے لگیں جو دائیں بائیں لڑھکتے پھر رہے تھے۔

"آپ اپنے اس بیان پر روشنی ڈالنا پسند کریں گے۔"در شہوار نے ہاتھ کا مائیک بنا کر شاہ میر کے آگے کیا۔

"بیا آپی کو تو تم نکال دو اس فہرست سے، وہ بیچاری تم لوگوں کا ساتھ دینے کے چکر میں ماری جاتیں ہیں اور جہاں تک بات نمیرہ کی ہے تو وہ اس گھر میں پیدا نہیں ہوئی، اور پیچھے رہ گئیں تم اور طوبی، تم دونوں کو تو اصل میں پیدا ہونا ہی نہیں چاہیے تھا۔"شاہ میر کی بات پر وہ دونوں تڑپ اٹھیں۔

"بھائی کیا آپ بتا سکتے ہیں، کہ آپ اس گھر سے کب تشریف لے جا رہے ہیں۔؟"در شہوار کا طنز سمجھ کر وہ مسکرا دیا۔

"خیریت۔؟ کھاریاں سے کچھ منگوانا تھا کیا۔؟"اس نے انجان بن کر پوچھا۔

"جی ہاں ایلفی۔۔۔۔اور وہ بھی آپ کے ہونٹوں پر لگانے کے لیے۔"طوبی نے جل کر کہا اور شاہ میر قہقہ لگا کر ہنس پڑا۔

وہ اس گھر کا واحد مرد تھا، جسکا رویہ سب خواتین سے بڑا دوستانہ اور شرارتی تھا، ورنہ وہاج بھائی کے ماتھے کے بل اور برہان کی سرد مہری کبھی کم ہونے کا نام ہی نہیں لیتی تھی۔اس سے پہلے کہ وہ اس بات پر تبصرہ کرتا، دروازہ دھڑ کر کے کھلا اور صندل حواس باختہ انداز میں اندر داخل ہوئی۔

"ہائے ہائے بی بی جی، غضب ہو گیا۔۔۔"صندل کی سانسیں پھولی ہوئیں تھیں۔

"جب بھی آنا، کسی منحوس خبر کے ساتھ ہی آنا۔۔۔"نمیرہ نے بیزاری سے ناک چڑھائی۔

http://paksociety.com

"فرمایئے، کون سی نیوز بریک کرنی ہے آپ نے۔" طوبیٰ نے طنزیہ انداز سے صندل کو دیکھا جو شاہ میر کو سامنے دیکھ کر بُری طرح گڑبڑا گئی تھی۔

"وہ بی بی جی، آپ کا پزا۔۔۔۔" وہ ہلکا سا ہکلائی۔

"وہ پزا۔۔۔۔۔" شاہ میر نے "وہ" کو لمبا کیا۔

"ہاں ہاں وہی۔۔۔۔" چاروں یک زبان گویا ہوئیں۔

"وہ تو برہان بھائی کے کولیگس کھا گئے، کیا تم لوگوں نے منگوایا تھا۔" شاہ میر کی بات پر ان چاروں کو کرنٹ لگا۔

"اوہ نو۔۔۔۔۔۔۔" ان سب کی امیدوں پر اوس پڑ گئی۔ انہوں نے صدمے بھرے انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا، جیسے ان کی کوئی کمپنی تازہ

تازہ ہی دیوالیہ ہوئی ہو۔

"لیکن صاحب جی۔۔۔" صندل ہلکی سی تذبذب کا شکار ہوئی۔

"کہاناں، وہ برہان بھائی کے مہمانوں کے آگے رکھ دیا گیا تھا، چلو صندل اب کھسکو یہاں سے۔" شاہ میر نے آنکھوں ہی آنکھوں میں صندل کو کوئی بات سمجھانے کی کوشش کی جو طوبیٰ کی زیرک نگاہوں سے چھپی نہ رہ سکی۔

"صندل جھوٹ بولنے والا سیدھا جہنم میں جاتا ہے۔" طوبیٰ نے اسے ڈرا وا دے کر سچ اگلوانے کی کوشش کی۔

"اور بی بی صندل یہ بھی یاد رکھنا، ایسا سچ جس سے شر پھیلنے کا اندیشہ ہو، اللہ کے ہاں اسکی بھی معافی نہیں، پورے سو سال جہنم کا عذاب بھگتو گی۔" شاہ میر کی بات پر صندل بیچاری کا رنگ فق ہو گیا۔

"جی مجھے نہیں پتا، مجھے تو ابا نے یہی کہا تھا۔۔۔" وہ بھی صاف مکر گئی۔

"ویسے ہیں تو برہان بھائی میرے ہی سگے بھائی، لیکن کی انہوں نے گھٹیا حرکت ہے۔۔۔۔" در شہوار جل کر بولی۔

http://paksociety.com

"اچھا بابا بس کر دو، ذرا سی چیز کے پیچھے اپنے بھائی کو ایسے کہو گی کیا۔" انابیہ کے بے اختیار بولنے پر شاہ میر شرارت سے کھنکھارا، اور وہ ایک دم جھینپ گئی۔

جب کہ باقی سب کو بھی ہنسی آ گئی، انابیہ، نکاح کے بعد برہان کی طرفداری کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھی۔

"چلو بھئی صندل گرما گرم چائے بنا کر لائو سب باجیوں کے لیے، میں ان کے لیے فرائی فش کا آرڈر کرتا ہوں، آخر کو ان کا غم غلط کرنے میں مجھے بھی کچھ ہاتھ بٹانا چاہیے۔" شاہ میر ریموٹ اٹھا کر وہیں جم کر بیٹھ گیا۔

"میرے لیے چکن کارن سوپ کا بھی آرڈر دے دیں۔۔" در شہوار نے فوراً اپنی فرمائش نوٹ کروائی۔

"اور میرے لیے فرنچ فرائز کا۔۔۔" طوبیٰ کی بھی زبان پھسلی۔

"میرا قیمے والا نان کھانے کو دل کر رہا ہے۔۔۔" نمیرہ نے بھی شرارت سے آنکھیں مٹکائیں۔

"ایسا کرو، تم سب لوگ آج "خیالی پلائو" ہی کھا لو، میں چلتا ہوں۔" شاہ میر منہ بنا کر ایک دم کھڑا ہوا۔

"اوفوہ بھائی، اتنی بھی کنجوسی اچھی نہیں، فوراً جائیں اور خود لے کر آئیں۔" در شہوار نے لاڈ سے اپنے بھائی کا بازو پکڑا تو شاہ میر کو نہ چاہتے ہوئے بھی بات

ماننا ہی پڑی۔

"تم ابھی تک یہیں کھڑی ہو، جا کر چائے کا پانی رکھو۔" انابیہ نے صندل کو گھورا تو وہ بوکھلا کر باہر نکلی۔

"صندل، صندل، کہاں مر گئی ہو۔۔" اپنی اماں کی پاٹ دار آواز سن کر وہ سیڑھیوں کی طرف بھاگی اور سامنے سے آتے وہاج صاحب سے بُری طرح ٹکرائی

جو بڑی تیزی سے اوپر والے پورشن کی طرف آ رہے تھے۔

"سنبھل کر۔۔۔" انہوں نے ایک دم ہی اسے بازوؤں سے پکڑ کر گرنے سے بچایا اور اس طرح نامحسوس انداز سے اپنے ساتھ لگایا کہ ہو کر سیڑھیوں پر لگی گرل کو تھام لیا۔ صندل کو گھر کے مردوں میں وہاج صاحب کی نظروں سے سخت الجھن صندل نے خوفزدہ ہوتی۔ ان کا دیکھنے کا انداز بہت عجیب تھا، ایسے لگتا جیسے آنکھوں میں کوئی ایکسرے

مشین فٹ کروا رکھی ہو۔وہ ان کی آمد پر چھپتی پھرتی تھی لیکن آج شاید اسکے ستارے گردش میں تھے

"کسی دن کوئی بچانے والا نہ ہوا تو ہاتھ پیر تڑوالو گی لڑکی۔۔۔"ان کا لہجہ معنی خیز اور بے باک نگاہیں محسوس کر کے صندل کا چڑیا جیسا دل ایک دم سہم گیا۔

"ارے وہاج بیٹا تم۔؟فارحہ کو کیوں نہیں لائے ساتھ۔"تاجدار بیگم ہاتھ میں ایک شاپر اٹھائے اسٹور سے نکلیں تو صندل کی جان میں جان آئی،وہ تیزی

سے سیڑھیاں اتر کر کچن کی طرف بھاگی۔

"آپکی بہو صاحبہ آجکل میکے گئیں ہوئیں ہیں اور ویسے بھی میں تو چند ہی گھنٹوں کے لیے آیا تھا کسی کام سے۔"وہاج کو اس موقعے پر انکی آمد ناگوار لگی تھی

لیکن انہوں نے زبردستی مسکرا کر جواب دیا۔

"کچھ دن کے لیے چھوڑ جائوں ناں اسے،بچیاں بہت یاد کرتی ہیں۔"انہوں نے محبت بھرے لہجے میں فرمائش کی۔وہ تاجدار بیگم کی سگی بھتیجی ہونے کے ساتھ ساتھ بڑی بہو بھی تھی،انتہائی سلجھی ہوئی اور محبت کرنے والی لڑکی،جو شادی کے چار سال بعد بھی اولاد جیسی نعمت سے محروم تھی۔وہ وہاج کے ساتھ

اسلام آباد والے بنگلے "نور محل"میں رہتی تھی جہاں حاکم علی،اور میر محتشم کے ساتھ خاقان صاحب اکثر ہی پائے جاتے تھے

"جی جی بھیجوا دوں گا،لیکن آپکو پتا ہے ناں،نور محل میں بھی کسی خاتون کا ہونا بہت ضروری ہے۔"انہوں نے بادل نخواستہ حامی بھری۔

"ہاں ہاں سب پتا ہے مجھے،اب تو الیکشن کا جھنجھٹ بھی شروع ہونے والا ہے۔"وہ ہلکی سی بیزار ہوئیں۔جب کہ وہاج سر ہلاتے ہوئے اوپر والے پورشن کی طرف بڑھ گئے،لیکن وہ دل ہی دل میں تہیہ کر چکے تھے کہ کس طرح فارحہ کے اکیلے پن کا بہانہ بنا کر صندل کو یہاں سے نور محل منتقل کرنا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

http://paksociety.com

آج پھر اسلام آباد کے ایف سیون سیکٹر میں واقع ''ٹینا ہائوس'' میں ناشتے کی ٹیبل پر ایک طوفان آیا ہوا تھا۔

ٹینا بیگم ابھی ابھی جوگنگ کر کے واپس لوٹیں تھیں۔ تنگ سے ٹرائوزر میں سلیولیس شرٹ کے ساتھ انہوں نے اپنے اسٹیپ کٹنگ بالوں کی اونچی سے پونی بنا رکھی تھی، یوگا، جم اور ایکسرسائز کی وجہ سے ان کی فٹ نس قابل رشک تھی۔ رومیصہ نے ناک چڑھا کر مام کے حلیے کو دیکھا اور بیزاری سے سر جھٹک کر ہاتھ میں پکڑا اسلائس کترنے لگی۔ وہ آج کسی گہری سوچ میں مگن تھی۔

''شیری، کیا پروگرام ہے تمہارا۔۔۔؟'' انہیں دو دن بعد شہر زاد سے بات کرنے کا ٹائم مل ہی گیا۔

''کیا مطلب۔۔۔؟'' اسکے دل کی دھڑکنیں بے ربط ہوئیں۔

''واپسی کی ٹکٹ کب کی کنفرم کروائوں تمہاری۔۔۔؟'' انہوں نے تھرماس سے شوگر فری چائے اپنے کپ میں انڈیلی۔ رومی نے چونک کر بہن کی طرف

دیکھا جو تذبذب کا شکار لگ رہی تھی

''سوچ رہی ہوں، یہیں پریکٹس اسٹارٹ کر دوں، میرا تو واپس جانے کا کوئی پروگرام نہیں۔'' شہر زاد کی اطلاع پر ٹینا بیگم کا دماغ بھک کر کے اڑا۔

''تمہارا دماغ خراب ہے، تم بار ایٹ لاء کی ڈگری لے کر یہاں پریکٹس کرو گی۔۔۔؟ پاکستان میں۔۔؟'' ٹینا بیگم کی آنکھوں میں ناگواری در آئی اور انکی خوبصورت پیشانی پر ایک شکن ابھری۔

''مام، ہرج ہی کیا ہے۔؟'' اُس نے سلائس پر جیم لگاتے ہوئے خود کو لاپرواہ ظاہر کرنے کی پوری کوشش کی۔ وہ لمحہ آ چکا تھا، جس کا اسے خوف تھا۔ اسے معلوم تھا ٹینا بیگم کو اپنی بیٹیوں کا پاکستان میں رہنا سخت ناپسند تھا۔ اس بات کے پیچھے کیا لاجک تھی، یہ بات ان آنکھ کھولنے کے بعد دو ہی رشتے دیکھے تھے، ایک نانو کا اور دوسرا اماں کا۔ ان کے باپ کے کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا، انہوں نے متعلق بات کرنا ٹینا بیگم کو سخت ناپسند تھا اور شہر زاد نے اس معاملے میں کبھی کھوج لگانے کی ضرورت محسوس نہیں کی لیکن رومیصہ اکثر و بیشتر ماں کی اس دکھتی رگ پر ضرور ہاتھ رکھتی۔ تمہیں اندازہ ہے، تمہاری اس مہنگی ایجوکیشن پر کتنا پیسہ خرچ ہوا ہے میرا؟ ٹینا

http://paksociety.com

بیگم کے لہجے میں نخوت در آئی اور وہ کروفر سے ڈائننگ ٹیبل کی کرسی پر بیٹھ گئیں۔ شہر زاد نے اپنا سر شکستگی سے جھکا دیا۔ اسکی سنہری آنکھوں میں پانی تیرنے لگا۔

"تو کیا اب آپ ہم سے حساب کتاب لیں گی اپنی پرورش کرنے کا۔" رومی کے لبوں پر زہر آلود تبسم ابھرا۔

"تم چپ رہو، ہزار دفعہ کہا ہے میرے معاملات میں مت بولا کرو۔" وہ تلملا کر رومی کی طرف متوجہ ہوئیں، جسکا چہرہ ماں کی اس بات پر ایک دم سرخ ہوا اور اس نے ہاتھ میں پکڑا اسلائس بدتمیزی سے ٹیبل پر پٹخا۔

"ایکسکیوزمی۔۔۔" وہ بھڑک کر کھڑی ہوئی۔

"اگر آپ کو اپنے معاملات میں دخل اندازی پسند نہیں تو فار گاڈ سیک، ہم دونوں بہنوں کو بھی چھوڑ دیں ہمارے حال پر اور جا کر ٹینا بیگم کا دماغ لمحے بھر کو چکرا سا ایک اور شوہر ڈھونڈیں چوتھی شادی کے لیے۔۔۔" رومی بولی نہیں متنفر لہجے میں پھنکاری تھی۔ گیا۔ ان کا چہرہ فق ہوا، جب کہ رومی پائوں پٹختی ہوئی ڈائننگ روم سے نکل گئی۔ شہر زاد نے خوفزدہ نظروں سے ماں کا ہراساں چہرہ دیکھا۔ انہوں نے اپنی کرسی کے بازو کو مضبوطی سے پکڑ کر خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

"آئی ایم سوری مام۔۔۔" شہر زاد لپک کر ان کے پاس آئی اور نرمی سے ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھا۔

"تم نے دیکھا، یہ مجھے کیا کہہ کر گئی ہے۔۔" وہ صدمے بھرے انداز میں گویا ہوئیں۔

"مام، پلیز ڈونٹ ٹیک ٹینشن، میں سمجھائوں گی اسے۔۔۔" وہ یوں شرمندہ تھی جیسے بدتمیزی رومی نے نہیں اس نے خود کی ہو۔

"اتنا تو علم تھا مجھے کہ یہ نفرت کرتی ہے مجھ سے، لیکن اس حد تک کرتی ہو گی یہ اندازہ نہیں تھا۔" وہ میز کا سہارا لے کر بمشکل اٹھیں، اور مرے مرے قدموں کے ساتھ کمرے سے نکل گئیں۔ جب کہ شہر زاد کو اب گھنٹوں بیٹھ کر اس بات پر کڑھنا تھا۔ وہ حیران تھی کہ رومی نے اسے پاکستان تو بلوا لیا تھا لیکن ابھی تک وہ بات نہیں کی جسکی وجہ سے وہ ڈپریس تھی کالج سے آنے کے بعد وہ اپنی فرینڈز کے ساتھ نکل جاتی اور رات گئے ہی لوٹتی تھی۔

"مجھے رومیصہ سے کھل کر بات کرنی چاہیے۔۔۔" وہ یہ سوچ کر اسکے بیڈ روم میں پہنچ گئی۔ اندر داخل ہوتے ہی اسے شاک لگا۔ رومی اپنے کمرے میں موجود نہیں تھی لیکن وہاں تو لگتا تھا جیسے بھوت ناچ کر گئے ہوں۔ ہر چیز الٹ پلٹ تھی۔

اسکی ڈریسنگ ٹیبل کا شیشہ کرچیوں کی صورت میں برائون کارپٹ پر بکھرا ہوا تھا اور پاس ہی سنگ مرمر کا گلدان ٹوٹا ہوا تھا۔ یقینا شیشہ توڑنے کے لیے اسے ہتھیار کے طور پر استعمال کیا گیا تھا۔ بیڈ شیٹ آدھی زمین پر اور اسٹڈی میز کی کرسی اوندھی پڑی تھی۔ دیوار پر لگی پینٹنگ کا بھی حشر نشر کر دیا گیا تھا۔

"اوہ مائی گاڈ۔۔۔" شہر زاد کو اپنا دماغ گھومتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ نڈھال قدموں سے چلتی ہوئی اس کی اسٹڈی ٹیبل کے قریب پہنچی تو ایک اور شاک اسکا منتظر تھا۔ رومی نے بچپن کی بے شمار تصویروں کا تیاپانچہ کر دیا تھا۔

ان تصویروں میں جہاں جہاں مام ان کے ساتھ کھڑی تھیں انہیں قینچی سے کاٹ کر علیحدہ کر دیا تھا۔ ہر طرف تصویروں کے ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے کاٹنے والے نے اپنا سارا غصّہ اور نفرت بیدردی سے ان پر اتارنے کی کوشش کی ہو۔ ایک درمیانی سائز کی تصویر اسے کارپٹ پر گری ہوئی ملی، اس تصویر میں شہر زاد اور رومیصہ کے درمیان میں کھڑیں ٹینا بیگم کے چہرے پر کے مارکر سے کالک بھر دی تھی۔ وہ سیاہی، مایوسی کے رنگ میں ڈھل کر شہر زاد کو اپنے دل میں اترتی ہوئی محسوس اس نے سیاہ رنگ ہوئی، رومیصہ کی شخصیت کا یہ منفی رخ تو آج اس کے سامنے آیا تھا اور اسے پہلی ہی دفعہ اس حقیقت کا ادراک ہوا کہ وہ مام کو ناپسند ہی نہیں کرتی بلکہ ان سے بے تحاشا نفرت کرتی ہے۔ اس سوچ نے شہر زاد کی زندگی کا رہا سہا سکون بھی غارت کر دیا۔ مام کی کچھ چیزیں اسے بھی ناگوار گذرتیں تھیں لیکن وہ شخصی آزادی کی قائل تھی۔ اس لیے اس نے ان کی پرسنل لائف میں مداخلت کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی، یہی وجہ تھی کہ اسکے ٹینا بیگم کے ساتھ تعلقات نسبتا بہتر تھے۔

"ہمیں رومی کو کسی سائیکاٹرسٹ کو دیکھانا چاہیے۔" وہ اسکے بیڈروم سے نکل کر سیدھی لائونج میں ٹینا بیگم کے پاس پہنچی۔ جو چہرے پر کاوچ پر لیٹی ہوئیں تھیں، اسکی بات پر وہ ہلکی سی بے چین ہوئیں اور اپنا چہرہ واش کر کے واپس آئیں تو شہر زاد کھیرے کا ماسک لگائے وہیں کھڑی تھی۔

"ایک دفعہ لے کر گئی تھی میں اسے ایک سائیکاٹرسٹ کے پاس۔۔۔" وہ بڑی نفاست سے ٹاول سے اپنا چہرہ صاف کر رہیں تھیں۔

"پھر، کیا کہا انہوں نے۔۔۔؟" شہر زاد حیران ہوئی۔

"نیکسٹ سیشن پر بلوایا تھا لیکن اس نے جانے سے صاف انکار کر دیا۔۔" انہوں نے ٹاول لاپرواہی سے صوفے پر اچھالا۔

"آپ نے زبردستی لے کر جانا تھا۔۔" شہر زاد اپنے مخصوص دھیمے لہجے میں گویا ہوئی۔

"یہ بھی کیا تھا۔۔۔" ٹینا بیگم طنزیہ انداز میں مسکرائیں۔

"تو۔۔؟" اس نے بھنویں اچکا کر تعجب کا اظہار کیا۔

"اس نے اپنی کلائی کی رگ کاٹ کر سوسائیڈ (خودکشی) کرنے کی ناکام کوشش کر ڈالی۔" وہ استہزائیہ لہجے میں گویا ہوئیں۔

"واٹ۔۔۔۔؟؟؟" شہر زاد کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ وہ سخت حیرت اور بے یقینی سے ٹینا بیگم کا افسردہ چہرہ دیکھنے لگی، پہلی دفعہ اسے احساس ہوا کہ وہ اتنی بھی ینگ نہیں لگتیں، بڑھاپا تیزی سے اپنے قدم ان کی جانب بڑھا رہا تھا۔ رومیصہ ان کی زندگی کی سب سے بڑی ٹینشن تھی۔

"کیوں، کر رہی ہے وہ ایسا۔۔۔؟" شہر زاد نے ان کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کچھ کھوجنے کی کوشش کی۔

"مجھے لگتا ہے کہ کوئی اسے میرے خلاف بھڑکاتا ہے۔" وہ پھیکے سے انداز میں مسکرائیں۔

"لیکن کون۔۔۔؟" وہ تشویش میں مبتلا ہوئی۔

"ایک خوبصورت، کونفیڈنٹ اور کامیاب ورکنگ وومن کے ایک سو ایک دشمن ہو سکتے ہیں۔" انہوں نے ملازمہ کے ہاتھ سے فریش اورنج جوس پکڑتے ہوئے شہر زاد کی معلومات میں اضافہ کیا۔

"لیکن اس مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل ہونا چاہیے مام، وہ خود کو بُری طرح (تباہ) کر رہی ہے۔" وہ بری طرح پریشان تھی۔

"ہاں میں سوچ رہی ہوں اسکا کوئی روحانی علاج کروائوں، اور تم کل میرے ساتھ چلو گی۔" انکی بات پر شہر زاد نے سوالیہ نگاہ سے انکی جانب دیکھا۔

"پیر مراد علی شاہ کے مزار پر۔۔۔" انکی اگلی بات نے شہر زاد کا دماغ بھک سے اڑا دیا، وہ سخت حیرت اور بے یقینی سے مام کی طرف دیکھنے لگی، تنگ جینز کے ساتھ سلیولیس شرٹ پہنے اپنی بیٹی کے علاج کے لیے کسی سائیکاٹرسٹ کے پاس جانے کی بجائے مزار پر جانے کی بات کر کے وہ اپنی لندن پلٹ بیٹی کو اپنی بھی ذہنی حالت کے بارے میں مشکوک کر چکیں تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صبح آٹھ بجے کا وقت تھا، طوبی اور در شہوار گھوڑے بیچ کر سوئیں ہوئیں تھیں، ویسے بھی ان دونوں کا ایف ایس سی کا رزلٹ کچھ ہی وجہ سے تاجدار بیگم بھی آجکل ان پر روک ٹوک نہیں کر رہیں تھیں۔ ورنہ تائی امی کو لڑکیوں کا دیر تک دنوں میں متوقع تھا اور اسی سوئے رہنا سخت ناپسند تھا انابیہ نے سستی سے کمرے کے پردے ہٹائے، سامنے مری کے پہاڑوں پر ایک چمکتی ہوئی صبح طلوع ہو چکی تھوڑا کھل چکا تھا۔ انابیہ اور طوبی کے بیڈ روم کی کھڑکیاں سامنے والے لان کی تھی۔ ساری رات بارش برسنے کے بعد موسم اب طرف کھلتیں تھیں۔ اس وقت وہ سب کی نظروں سے چھپ کر برہان کو یونیورسٹی جاتے ہوئے دیکھا کرتی تھی، بی اے کے رزلٹ کے بعد اسکا ارادہ بھی اسی یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینے کا تھا۔ جہاں برہان اسسٹنٹ پروفیسر تھے۔ برہان نے دادی اور محتشم علی کی سخت مخالفت کے باوجود یہ ملازمت جاری رکھی تھی۔ وہ مزاجا اس گھر کے مردوں سے تھوڑا مختلف تھے۔ اسی وجہ سے انابیہ بہت سال پہلے ہی خود کو ان کی محبت میں گرفتار ہونے سے نہیں روک پائی، جبکہ اس معاملے میں برہان نے کبھی بھی اسکی پذیرائی نہیں کی۔ اس نے کھڑکی سے دیکھا، وہ اپنا لیپ ٹاپ بیگ اٹھائے پورچ میں کھڑی گاڑی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ بلیک جینز پر انہوں نے ایک اسٹائلش اور اسمارٹ سی جیکٹ پہن رکھی تھی اور آنکھوں پر ان کا مخصوص سلور کلر کا چشمہ تھا۔ انہیں پورچ میں بڑھتے دیکھ ایک دم اسکے ذہن میں خیال آیا اور وہ دبے قدموں سیڑھیاں اتر کر ہال کمرے میں پہنچ گئی۔ چھوٹے سے کوریڈور کے اینڈ میں انکا بیڈ روم تھا۔ وہ دائیں بائیں دیکھتے ہوئے دھڑکتے دل سے ان کے کمرے میں داخل ہوئی، گرے اور سفید رنگ کے کمبنیشن کے ساتھ کمرے کی سیٹنگ میں نفاست کا عنصر غالب تھا۔ جیسمین سپرے کی خوشبو پورے کمرے میں رقص کر رہی تھی۔ اسے اپنے تایازاد کزن برہان شروع ہی سے اچھے لگتے تھے لیکن نکاح کے بعد تو اسکے دل میں چھپا محبت کا ننھا پودا ایک تناور درخت کی صورت اختیار کر چکا تھا جسے برہان نے کبھی اپنی توجہ یا چاہت کا پانی دینے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ بے اختیار چلتی ہوئی ان کی اسٹڈی ٹیبل کے پاس آکر رک گئی۔ جہاں ان کے سبجیکٹ کی کتابیں ایک ترتیب کے ساتھ رکھی ہوئیں تھیں۔ دائیں طرف ایک خوبصورت قلم ہولڈر تھا اس نے پین نکال کر سامنے رکھی نوٹ بک کھولی اور مسکرا کر اپنا اور ان کا نام لکھنے لگی اچانک اس کی نظر سائیڈ میز پر رکھی ان کی کونووکیشن کی تصویر پر پڑی، کیمرے کی آنکھ میں محفوظ بے ساختہ مسکراہٹ نے ان کی اس تصویر کی دلکشی کو مزید بڑھا دیا تھا، وہ شیشے کے نفیس سے فریم میں مقید تھی۔ انابیہ نے بڑی محبت سے اپنے دوپٹے کے آنچل سے اس فریم کا شیشہ صاف کیا۔ اسے علم نہیں تھا کہ برہان کسی کام سے اپنے کمرے میں واپس لوٹ آئے تھے اور اب ناگواری سے انابیہ کو دیکھ رہے تھے۔

http://paksociety.com

"یہ کیا ہو رہا ہے۔۔۔۔؟" ان کا ناراض لہجہ انابیہ کی سماعتوں سے ٹکرایا، اور وہ جو اس اچانک چھاپے کے لیے تیار نہیں تھی، اس آواز پر اچھلی اور اسکے ہاتھ سے فریم پھسلا اور فرش پر کرچیوں کی صورت میں بکھرتا چلا گیا۔ برہان نے ناگواری سے پہلے زمین پر پھیلی کرچیوں کو اور پھر اپنی چچازاد کزن کو دیکھا جس کا چہرہ فق ہو گیا تھا اور وہ خوفزدہ انداز میں اپنے لبوں پر ہاتھ رکھے سر جھکائے کھڑی تھی، برہان کی غیر متوقع آمد نے اسکے اوسان خطا کر دیئے تھے۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو۔۔؟" وہ بیزاری سے گویا ہوئے۔

"وہ میں، انگلش کی ڈکشنری لینے آئی تھی۔۔۔" انابیہ نے بوکھلا کر بہانہ بنایا۔

"نہیں ہے میرے پاس، جاؤ یہاں سے، اور اس بے وقوف صندل کو بھیجو، یہ کچرا سمیٹے یہاں سے۔۔" انہوں نے سائیڈ میز پر رکھا اپنا فولڈر اٹھایا، جسے لینے کے لیے ہی وہ آئے تھے۔ انابیہ گھبرا کر ان کے کمرے سے نکلی اور باہر قدم رکھتے ہی اسکا دل دھک کر کے رہ گیا۔ سامنے داجی سفید کلف لگے شلوار قمیض میں کشمیری چادر کندھے پر رکھے اپنے کمرے کے دروازے میں کھڑے، سخت ناگواری سے اسے برہان کے روم سے نکلتا دیکھ چکے تھے۔ آج انابیہ کی قسمت کا ستارہ گردش میں تھا۔ وہی قسمت جس پر اسے کچھ دیر پہلے رشک آرہا تھا۔

"تم برہان کے کمرے میں کیا کر رہی تھیں۔؟" ان کے کرخت لہجے نے انابیہ کی ٹانگوں کی جان نکال دی۔ داجی کے غصّے سے تو پورا جہان کانپتا تھا اور گھر کی خواتین میں سے سوائے تاجدار بیگم کے کوئی بھی ان سے بات کرنے کی ہمت نہیں کرتا تھا اور ویسے بھی وہ خاندان کی خواتین کو زیادہ لفٹ کروانے کے قائل نہیں تھے۔ ان کا زیادہ وقت اسلام آباد اور ملتان میں گذرتا تھا۔

"میں تم سے پوچھ رہا ہوں، کیا کر رہی تھیں تم۔۔؟" بڑھاپے میں بھی ان کی آواز کی گرج اچھے خاصوں کا دل دہلا دیتی تھی، انابیہ دکھ اور صدمے سے رو دینے کو تھی برہان کے بھی مقدر کی خرابی، وہ بھی اسی لمحے اپنا فولڈر اٹھائے عجلت بھرے انداز میں کمرے میر برہان محتشم، مانا کہ نکاح ہو چکا ہے سے نکلے اور سامنے داجی کی شکی نگاہوں سے نکلتے شعلوں نے انہیں سپٹا کر رکھ دیا۔
ہی نظروں میں گرا تمہارا، لیکن شریف گھرانوں کی بھی کچھ روایات اور طور طریقے بھی ہوتے ہیں۔" ان کا سفاک لہجہ برہان کو اپنی گیا ضبط کی کوشش میں ان کا چہرہ لال ہوا لیکن انہوں نے اپنے لب سی لیے۔ وہ جانتے تھے داجی اپنے سامنے کسی اور کو صفائی کا موقع

ذرا کم ہی دیتے تھے اور برہان سے تو باہر جا کر پڑھنے اور سیاست میں نہ آنے کی وجہ سے پہلے ہی خفا رہتے تھے، ان کے اس سرد رویئے کی بناء پر برہان بھی ان سے دُور دُور ہی رہتا تھا۔ جو کچھ فرنگیوں کے ملک سے سیکھ کر آئے ہو یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں، سمجھے، جائو دونوں یہاں سے۔'' الفاظ کا یہ چابک ان کے اعصاب پر کسی بلڈوزر کی طرح گرا، داجی کا یہ انداز سراسر تضحیک آمیز تھا۔ ذلت کے گہرے احساس کے ساتھ برہان تقریباً اڑتا ہوا کمرے سے نکلا تھا، اسکا دھواں دھواں چہرہ انابیہ کو دائمی خلش میں مبتلا کر گیا۔ وہ کرب سے لب بھینچ کر رہ گئی۔ اس کی شہد رنگ آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر گرنے لگے۔ وہ نم آلود آنکھوں سے بمشکل ٹانگیں گھسیٹتے ہوئے اپنے کمرے میں پہنچی تو طوبیٰ کو وہاں نہ پا کر اس نے سکون کا سانس لیا۔ واش روم میں جا کر وہ اب کھل کر رو سکتی تھی

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''ماما کیا ہو گیا ہے آپ کو۔؟ اتنا ٹچی تو آپ اس وقت نہیں ہوئیں جب میں یو کے گیا تھا۔'' ہادی نے بوکھلا کر کمبل ہٹایا اور ذرا محتاط انداز میں ماں کو دلاسا دینے کی کوشش کی، جو اس وقت اسلام آباد میں موجود اپنے گھر میں رو رو کر ایک چھوٹا سا ڈیم بنا چکیں تھیں۔ صبح صبح آنے والی ان کی کال نے ہادی کی نیند بھک کر کے اڑا دی تھی۔

''ہاں تو اس وقت تو درمیان میں سات سمندر حائل تھے، اب تو ایک گھنٹے سے بھی کم کا سفر ہے، لیکن تمہیں اتنی توفیق نہیں ہوتی کہ بوڑھی ماں سے مل جائو وہ رونا بھول کر اسکی کلاس لینے لگیں تو ہادی کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

بوڑھے ہوں آپکے دشمن، آپ تو اچھی خاصی انرجیٹک اور ینگ وومن ہیں۔'' اس نے ماں کو بہلانے کی کوشش کی۔''

''بس بس رہنے دو۔ زیادہ مسکا بازی کرنے کی ضرورت نہیں، اپنے باپ کی طرح۔'' ان کی جھاڑ سن کر ہادی کی طبعیت ایک دم فریش ہو گئی۔

''باپ بیچارے کا تو خوامخواہ سے نام بدنام کر رکھا ہے لوگوں نے۔۔'' عبداللہ صاحب کی بھی کمرے میں انٹری ہو چکی تھی، ان کی آواز ریسور میں سے ہادی کی سماعتوں تک پہنچی تو وہ مسکرا دیا، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اب کون سی جنگ عظیم شروع ہونے والی ہے۔

''دنیا میں دو ہی تو معصوم اور بھولے بھالے ہیں، ایک آپ اور ایک آپکا بیٹا۔۔'' عالیہ بیگم طنزیہ لہجے میں گویا ہوئیں۔

http://paksociety.com

"بھئی اب تم کہیں اور کا غصّہ مجھ پر تو نہ نکالنے کی کوشش کرو۔"عبداللہ صاحب گھبرا گئے۔

"آگ لگے اس کڑوڑوں کی جائیداد کو، جس کے ہوتے ہوئے ماں بیٹے کے درمیان اتنی دوری ڈال دی۔"عالیہ بیگم ایک دم پھٹ پڑیں۔

"توبہ توبہ، آج تو سرحدوں پر سخت کشیدگی ہے، بیٹا جی پہلی فرصت میں سیز فائر کروانے پہنچیں یہاں۔"عبداللہ صاحب نے بیوی کے ہاتھ سے سیل فون پکڑا اور اسپیکر آن کر کے ہادی کو مخاطب کیا۔

"جی جی پاپا۔۔۔اس ویک اینڈ پر آتا ہوں۔۔"وہ خود بھی ماں کے جذباتی انداز پر بوکھلا گیا، اتنا تو وہ بھی جانتا تھا کہ وہ اس طوطے کی اس کی ماں کی جان قید تھی۔ طرح تھا، جس میں

"یقین مانو بیٹا صبح وشام، نیناں بہائے جاتے ہیں، مکیش اور رفیع کے گانے سنے جاتے ہیں، ایسا کوئی دکھی قسم کا ماحول بنا ہوا ہے گھر کا کہ سارے ملازم، چرند پرند ہر کوئی صبح وشام روتا دیکھائی دیتا ہے۔۔۔"عبداللہ صاحب کا شرارتی لہجہ عالیہ بیگم کو مزید تپا گیا۔

"سن رہے ہو اپنے باپ کی باتیں، ایک ماں کی محبت کا ایسا مذاق اڑاتے ہیں۔۔"عالیہ بیگم بیزاری سے گویا ہوئیں۔

"کیا ہو گیا ہے ماما، اتنا تو پیار کرتے ہیں پاپا آپ سے، اسی وجہ سے تو ایک منٹ بھی اپنی آنکھوں سے اوجھل ہونے نہیں دیتے، ورنہ کتنا کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ آکر رہیں یہاں مری میں۔۔"اسے ہمیشہ کی طرح ثالثی کا کردار نبھانا پڑا۔

"بس بیٹا، تم دنیا کے واحد شخص ہو جو میرے جذبات سمجھ سکتے ہو، کچھ اپنی ماں کو بھی سمجھا دیا کرو۔"عبداللہ صاحب ابھی بھی غیر سنجیدہ تھے۔ بابا، آپ بھی ذرا کم تنگ کیا کریں ماما کو۔"ہادی نے مسکرا کر سعد کو اندر آنے کا اشارہ کیا، جو کافی کے دو بڑے مگ اٹھائے دروازے میں کھڑا تھا۔ وہ کل ہی اسکے گھر میں شفٹ ہوا تھا اور آج تھکن کی وجہ سے دونوں نے ہی آفس سے چھٹی کر لی تھی۔ سعد نے ٹرے ایک طرف رکھ کر بیڈ روم کی کھڑکی کا پردہ ہٹایا تو سامنے میر ہائوس کے پچھلے لان کا منظر بالکل صاف تھا۔ ہادی کا بیڈ روم فرسٹ فلور پر تھا اور کمرے کے دو اطراف میں کھڑکیاں تھیں جن میں سے دو پچھلے لان کی سائیڈ پر اور دو میر ہائوس کی گیلری کی جانب کھلتی تھی۔ میر ہائوس کے پچھلے لان میں اس وقت درشہوار اور طوبیٰ نے خوب طوفان برپا کر رکھا تھا۔ درخت کے مضبوط تنے سے باندھے گئے جھولے پر بیٹھی درشہوار کی بلند آواز میں کی جانے والی شاعری سعد کو بغیر کسی دقّت کے سنائی دے رہی تھی۔

http://paksociety.com

فصل گل آئی، کھلے باغ میں خوشبو کے علم۔۔۔

دل کے ساحل پر ترے نام کا تارہ چمکا۔۔۔۔

"دو منٹ کے اندر نیچے اتر جاؤ جھولے سے، ورنہ دن میں تارے دیکھا دوں گی تمہیں۔" طوبیٰ نے منہ پر ہاتھ پھیر کر در شہوار کو دھمکی دی تو سعد کو ہنسی آ گئیا سے ہنستا دیکھ کر ہادی بھی اسکے پیچھے آن کھڑا ہوا، وہ بابا سے بات کر کے فون بند کر چکا تھا

"یہ کیا ہو رہا ہے۔۔۔" اس کے لہجے میں ہلکی سی ناگواری جھلکی۔

"بڑی مزے کی اور زندہ دل لڑکیاں ہیں یار۔۔۔" سعد سامنے کا منظر دیکھ کر کھل کر مسکرایا، کیونکہ طوبیٰ نے ہاتھ میں پکڑا کشمیری سیب کھینچ کر در شہوار کی کمر پر دے مارا تھا اور وہ تڑپ کر جھولے سے اتری اور جوابی حملہ کرنے کے لیے دائیں بائیں سے کوئی ہتھیار ڈھونڈنے لگی۔

"بُری بات ہے یار، اپنے لان میں وہ جو مرضی کریں۔۔" محمد ہادی کو سعد کی تانک جھانک ایک آنکھ نہیں بھائی، ویسے بھی وہ میچورڈ، سلجھا ہوا اور اپنے کام سے کام رکھنے والا بندہ تھا۔

"بے فکر رہو، فوجیں اپنی حدود سے نکل کر ہماری حدود میں داخل ہو چکی ہیں۔" سعد کے شوخ لہجے پر اس نے بیزاری سے نیچے جھانکا۔ در شہوار بڑی مہارت سے درمیانی باڑ پھلانگ کر اسکے لان میں لگے خوبانی کے درخت پر چھلاوے کی طرح چڑھی اور اب وہاں سے پکی ہوئی خوبانیاں توڑ توڑ کر طوبیٰ پر حملے کرنے لگی۔

"بہت ہی ڈفر اور بد تمیز لڑکی ہے، اسکا تو میں دماغ درست کرتا ہوں۔" ہادی کا دماغ گھوما۔ وہ میزائل کی طرح اڑتا ہوا اپنے پچھلے لان میں پہنچا، تب تک در شہوار اس کے آدھے درخت کی تباہی پھیر چکی تھی۔ محمد ہادی کو سامنے دیکھ کر طوبیٰ جو خوبانیاں اپنی جھولی میں ڈال رہی تھی، ہرنی کی طرح فراٹے بھرتی اندر کی جانب دوڑ گئی، جبکہ در شہوار درخت پر ٹنگی کھسیانی مسکراہٹ کے ساتھ اپنا کان کھجانے لگی، یہ اسکا مخصوص اسٹائل تھا جو وہ رنگے ہاتھوں پکڑے جانے پر بناتی تھی۔

"محترمہ، ذرا نیچے اتریں شرافت سے۔۔۔" محمد ہادی کے دھمکی آمیز لہجے پر وہ ڈرتے ڈرتے چھلانگ مار کر نیچے اتری اور اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی اور دھڑم کر کے لان میں سجدہ ریز ہو گئی۔

"ارے رے، چوٹ تو نہیں لگی آپکو۔۔۔" سعد جو ہادی کو منع کرنے کے لیے اسکے پیچھے وہاں پہنچا تھا، سامنے کا منظر دیکھ کر بوکھلا گیا تھا در شہوار خجالت بھرے انداز سے بمشکل اٹھی اور اپنے کپڑے جھاڑنے لگی، جس پر مٹی اور گھاس کے تنکے چپک گئے تھے جبکہ اسکی کمر علیحدہ دہائی دے رہی تھی، جس پر زمین پر پڑے کسی پتھر کی نوک ٹھیک ٹھاک چبھی تھی۔

"یہ کیا بدتمیزی ہو رہی تھی یہاں۔۔۔؟" ہادی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ایک آدھ تھپڑ جڑ دیتا۔

"کچھ نہیں، خوبانیاں توڑ رہے تھے۔" اسکی بے نیازی ہادی کا دل جلا گئی جبکہ سعد کے ہونٹوں پر بڑی بے ساختہ مسکراہٹ دوڑی۔

"کیوں، یہ میر حاکم علی کے باپ کی جاگیر ہے۔۔؟ جہاں جب چاہے منہ اٹھا کر چلی آتیں ہیں آپ۔" ہادی کا تلخ لہجہ سن کر در شہوار اور سعد کا دماغ بھک کر کے اڑا جبکہ وہ مذید کہہ رہا تھا۔ "آئندہ ایسا کیا تو میں ڈاریکٹ انہی کے پاس جاؤں گا کہ اپنی زبان میں سمجھا لیں اپنے گھر کی خواتین کو۔ محمد ہادی کا دھمکی آمیز انداز در شہوار کے تن بدن میں آگ لگا گیا، وہ کہاں عادی تھی اس قسم کے لہجے کی ۔تذلیل کا گہرا احساس خنجر کی طرح اسکے وجود کو کاٹنے لگا۔

"اچھا تو یہ کس کی جاگیر ہے، ذرا روشنی ڈالنا پسند کریں گے آپ۔" آگے بھی در شہوار تھی، آسانی سے ہار نہ ماننے والی۔

"جس کی بھی ہو، آپکو اس سے مطلب نہیں ہونا چاہیے اور برائے مہربانی اپنی آمدورفت اپنی سائیڈ پر ہی محدود رکھیں۔" خوبانیوں کا حشر نشر دیکھ کر ہادی کا خون کھول اٹھا تھا۔

"ایسا کریں، اپنی حدود کے اندر برقی رو دوڑا دیں، کیونکہ اسکے علاوہ تو کوئی اور چیز در شہوار کو یہاں آنے سے روک سکتی نہیں۔" دو قدم آگے بڑھ کر ہادی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ پاس کھڑے سعد کے تو چھکے چھڑا گئی، البتہ محمد ہادی ایک دم تلملا اٹھا اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتا، در شہوار نے انگلی اٹھا کر اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔

"اور جہاں تک بات میر حاکم علی کو بتانے کی ہے تو یہ شوق بھی پورا کر لیں، لیکن اس سے پہلے یہ ضرور دیکھ لیجئے گا کہ مری کے کس قبرستان میں ایک قبر کی جگہ خالی ہے۔۔۔" در شہوار کی بھوری آنکھوں میں غصّہ اور تراشیدہ ہونٹوں کے خم پر ایک زہریلی مسکراہٹ ابھری۔

http://paksociety.com

"دھمکی دے رہیں آپ مجھے اس شخص کے نام کی، جسکی اوقات پورا پاکستان جانتا ہے۔"اس نے ایک دم مشتعل انداز میں بے اختیا رہی در شہوار کا بازو پکڑا جو وہاں سے جانے کے لیے پر تول رہی تھی۔اسکی مضبوط انگلیاں، در شہوار کے نرم بازو پر کسی گرم سلاخ کی مانند گھستی ہوئی محسوس ہوئیں تھیں۔اس کی آنکھوں میں اس قدر سفاکی تھی کہ ایک لمحے کو در شہوار بھی گڑبڑا گئی۔

"کیا ہو گیا ہادی، چھوڑو ان کا بازو۔۔۔"سعد نے بوکھلا کر مشتعل ہوتے ہادی کو اپنی طرف کھینچا۔جسکی آنکھوں سے اس وقت آگ کے گولے نکل رہے تھے جیسے سامنے والے کو زندہ جلا کر بھسم کرنے کا ارادہ ہو۔در شہوار نے جھٹکے سے اپنا بازو اس سے چھڑایا، اور متنفر انداز میں اسکی طرف دیکھتے ہوئے بڑے سکون سے اپنے لان کی طرف چل دی، اسکے اندر ایک حشر برپا تھا لیکن وہ اپنے اندر ہونے والی اچھاڑ پچھاڑ کو باہر کی دنیا کے لوگوں پر ذرا کم ہی ظاہر کرتی تھی، یہ اسے اپنی ذات کی سب سے بڑی توہین محسوس ہوتی تھی، لیکن اس وقت تو داجی کے بارے میں کہے ہوئے جملے نے اسے سلگا کر رکھ دیا تھا۔

"مسٹر ہادی۔۔۔آپکو اندازہ نہیں ہے، کس طوفان کو خود سے دعوت دے چکے ہیں آپ۔"واش روم میں پورا آدھا گھنٹہ اپنی کلائی ٹھنڈے پانی کے نل کے نیچے رکھنے کے بھی وہ اپنے اندر بدلے کی آگ کو کم نہیں کر سکی۔

"کیا کہہ رہا تھا وہ سڑیل، کہیں خوبانیوں کے پیسے تو نہیں مانگ لیے۔۔۔"وہ جیسے ہی واش روم سے باہر نکلی، طوبیٰ بڑے مزے سے خوبانیاں مزے سے کھا رہی تھی۔پاس ہی در شہوار کا لیپ ٹاپ رکھا ہوا تھا۔ اسکے بیڈ پر بیٹھی، وہی

"کچھ نہیں۔۔۔"در شہوار نے بیزاری سے ہاتھ میں پکڑا ٹاول اسٹینڈ پر پھینکا اور کمرے میں آتی ہوئی دھوپ کو کم کرنے کے لیے جیسے ہی پردے کی طرف ہاتھ بڑھایا، اسے جھٹکا لگا۔

در شہوار کے کمرے کی بائیں دیوار کے عین سامنے محمد ہادی کے کمرے کی دائیں سائیڈ والی دو کھڑکیاں تھیں اور درمیانی فاصلہ صرف دونوں کمروں کے درمیاں میں چھوٹی سی گیلری اور چند فٹ کی مشترکہ دیوار تھی جو خاصی نیچے تھی۔ہادی کے چند فٹ کا تھا۔۔ان کمرے کی شیشے کی دونوں کھڑکیاں اس وقت بند تھیں لیکن پردے ہٹے ہونے کی اور لائیٹ جلنے کی وجہ سے اندر کا منظر بالکل صاف دیکھائی دے رہا تھا۔اس وقت وہ اپنے سامنے کھڑے ملازم کے اوپر برس رہا تھا، ان دونوں کے چہروں کے تاثرات سے در شہوار کو اندازہ ہوا کہ دونوں کے درمیان گفتگو کوئی خوشگوار نہیں تھی، گرج برس کر وہ واش روم کی طرف بڑھ گیا۔در شہوار کے چہرے پر

http://paksociety.com

ایک زہریلی مسکراہٹ دوڑی، وہ تیزی سے اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر نکلی اور عجلت بھرے انداز میں سیڑھیاں اتر کر ڈرائینگ روم کی میز پر رکھا سنگ مرمر کا بھاری ایش ٹرے اٹھا کر لے آئی۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں، کیوں شرلاک ہومز کی طرح پورے گھر میں گھوم رہی ہو۔؟ یہ ایش ٹرے کیا کرنا ہے کہیں خود نخواستہ اسموکنگ تو نہیں شروع کر دی۔" لیپ ٹاپ پر اپنا فیس بک اکاونٹ کھولے طوبیٰ نے نظریں اٹھا کر حیرت سے در شہوار کا خفا چہرہ دیکھا۔ "طبعیت سیٹ ہے تمہاری۔۔؟" اسکی معنی خیز خاموشی طوبیٰ کے لیے الجھن کا باعث بنی، وہ جانتی تھی در شہوار کے لیے خاموش بیٹھنا دنیا کا مشکل ترین کام تھا، جو وہ مشکل ہی سے سر انجام دیتی تھی۔

"میری طبعیت تو ٹھیک ہے، لیکن کسی اور کی سیٹ کرنے لگی ہوں۔" در شہوار نے غصّے سے اپنی کھڑکی کا پردہ ہٹا کر اسے کھولا اور پوری قوت سے اپنے ہاتھ میں پکڑا ایش ٹرے گھما کر ہادی کی کھڑکی پر دے مارا۔ فضا میں شیشہ ٹوٹنے کی بلند آواز گونجی، اور طوبیٰ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"پاگل ہو گئی ہو کیا۔۔؟" وہ اچھل کر بیڈ سے اتری اور متاسفانہ انداز میں کھڑکی سے باہر جھانکنے لگی۔

سامنے محمد ہادی کا کمرہ اس وقت خالی تھا لیکن شیشہ ٹوٹنے کی آواز یقیناً نیچے موجود مکینوں تک بھی گئی ہو گی۔ طوبیٰ نے بوکھلا کر پردے برابر کیے اور در شہوار کا بازو پکڑ کر زبردستی اسے بیڈ پر بیٹھایا۔ جسکا چہرہ سرخ اور آنکھوں میں خفگی کا ایک جہان آباد تھا۔

"یہ کیا بے ہودا حرکت کی ہے تم نے۔۔۔؟" طوبیٰ نے غصّے سے اسکا کندھا ہلایا۔

"ابھی تو آغاز ہے، بڑا دردناک انجام ہو گا۔۔۔" در شہوار کے ماتھے کی پھڑکتی رگ اسکے اندرونی خلفشار کی بھرپور عکاسی کر رہی انتقامی مسکراہٹ دیکھ کر طوبیٰ الجھ گئی لیکن اس سے پہلے کہ وہ اس پر مذید غور و فکر کرتی، کمرے میں تھی۔ اسکی آنکھوں میں رینگتی اچانک ایک دھماکہ ہوا اور دونوں کا دل بھی دھک کر کے رہ گیا۔ در شہوار کی کھڑکی کا شیشہ بھی شہید ہو چکا تھا۔ اسٹیل کا ایک بھاری سا گلدان اڑتا ہوا کارپٹ پر آ گرا۔ دونوں خوفزدہ انداز میں اچھل کر پیچھے ہٹیں، اور حیرت اور خوف کے ملے جلے تاثرات سے گولڈن کلر کے اس قدیم گلدان کو دیکھنے لگیں، جو حجم میں چھوٹا لیکن وزن میں کسی طور بھی تین چار کلو سے کم نہیں تھا۔

"یہ کیا ہوا ہے۔۔۔۔؟" طوبیٰ خوفزدہ لہجے میں بولی۔

"جوابی حملہ۔۔۔" در شہوار بڑے مزے سے بیڈ پر بیٹھ گئی۔ جیسے اسے کوئی فرق نہ پڑا ہو۔

"اس کا کیا مطلب ہے۔۔۔؟" طوبیٰ جھنجھلا گئی۔

"اسکا مطلب ہے حریف، خاندانی اور ٹکر کا ہے، اور مقابلہ تو ایسے ہی لوگوں کے ساتھ جچتا ہے۔" در شہوار کے لبوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ نے احاطہ کیا اور طوبیٰ یوں تعجب سے اسے دیکھنے لگی جیسے اس کی خرابی دماغ کا یقین آ گیا ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

آستانہ مراد علی شریف پر آج آنے والوں کا تانتا باندھا ہوا تھا۔ مزار کے احاطے میں لگے کیکر کے درخت پر منت کے رنگ برنگے کپڑوں کی ٹلیاں لٹک رہی تھیں اور ایک دو ٹہنیوں پر تو بے اولاد عورتوں نے چھوٹے چھوٹے پنگوڑے لٹکا رکھے تھے۔ مری کے اس گاوں میں واقع اس مزار پر موجود خواتین میں تعلیم اور شعور کی کمی اور عقیدت کی فروانی تھی۔ اسی مزار کے صحن میں بنے چبوترے پر شیشم کے درخت کا گھنا سایہ تھا اور میلی سی دری پر بیٹھا سائیں بابا کا سر وقفے وقفے سے جھولتا رہتا۔ گلے میں رنگ برنگے موتیوں کی ڈھیروں مالائیں اور سبز رنگ کا چوغہ جو جگہ جگہ سے پھٹ چکا تھا۔

"مام کو پتا نہیں کیا ضرورت تھی یہاں آنے کی۔" شہر زاد نے کوفت بھرے انداز میں ٹینا بیگم کی طرف دیکھ کر سوچا، جو مزار کے احاطے میں رکھے لکڑی کے باکس میں اچھی خاصی رقم ڈالنے میں مصروف تھیں۔ خواتین کا ایک گروپ سائیں بابا کے ارد گرد گھیرا ڈالے بیٹھا اپنے لیے دعا کرنے کی التجائیں کرنے میں مصروف تھا۔ شہر زاد کو یہاں آ کر عجیب سا احساس ہوا، وہ ٹینا بیگم کے ایک دفعہ کہنے پر ہی ان کے ساتھ چلی آئی تھی، لیکن اس قسم کی صورتحال کا اندازہ نہیں تھا اسے۔

"حق مولا۔۔۔" سائیں بابا کو ایک دم جوش آیا اور وہ بلند آواز میں نعرہ لگا کر مزار کے احاطے میں گول گول چکر کاٹنے لگا۔ جب کہ مزار میں موجود مریدنیاں عقیدت بھری نگاہ سے انہیں دیکھنے لگیں۔

"بہت پہنچی ہوئی ہستی ہیں سائیں بابا۔۔۔" ایک خاتون کا جملہ شہر زاد کی سماعتوں میں پہنچا اور اس نے ناگواری سے کھڑے کھڑے پہلو بدلا۔

"مام پلیز چلیں۔۔۔" شہر زاد کی برداشت کی حد ختم ہو گئی۔

"مسز بخاری بتا رہیں تھیں، بڑی متبرک جگہ ہے، یہاں سے کوئی نامراد نہیں جاتا۔" ٹینا بیگم پسینے سے شرابور مڑ کر بولیں۔ اچھے دیر دھوپ میں کھڑے رہنے کی وجہ سے دونوں کو پسینہ آگیا تھا خاصے سرد موسم میں بھی کچھ

"مرادیں پوری کرنے والی ذات اوپر ہے، آپ لوگ خوامخواہ اسے زمین پر ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں۔" وہ اپنے خیالات کا اظہار ذرا بلند آواز میں کر گئی، اتنے سال ملک سے باہر رہنے کے باوجود اسکے عقائد خاصے پختہ تھے۔ سائیں بابا جو وجد کے عالم میں گول گول چکر کاٹ رہے تھے، ان کو کرنٹ سا لگا اور ان کے متحرک قدموں کی گردش ایک لمحے میں رکی، اور وہ بڑی سرعت سے شہر زاد کے عین سامنے جا کر کھڑے ہو گئے۔ وہ خوفزدہ ہو کر دو قدم پیچھے ہٹی۔

"یہ سارا ڈھونگ اوپر والے کا ہی ہے پتر، ہم تو اسکے ہاتھ کی بنائی وہ کٹھ پتلیاں ہیں جنہیں وہ آسمانوں پر بیٹھ کر انگلی کے اشارے سے چلاتا ہے۔ خود کو اسکے اشاروں پر چلنا سیکھا، ورنہ دنیا تیری ڈگڈگی بجا دے گی۔" وہ اسکے پاس آکر پراسرار انداز میں گویا ہوا، بدبو کا ایک بھبھوکا شہر زاد کی ناک سے ٹکرایا اور وہ بے اختیار پیچھے ہٹی۔

"منہ کی بدبو سے نہیں اندر کی غلاظت سے ڈر، جو قبر میں بچھوؤں کو اپنی طرف راغب کرتی ہے۔" سائیں بابا نے پوری قوت سے ہاتھ میں پکڑا ڈنڈا زمین پر مارا اور اللہ ہو کا نعرہ لگاتے ہوئے ایک دفعہ پھر عالم وجد میں رقص کرنے لگا۔ شہر زاد کا دل عجیب سے انداز میں دھڑکنے لگا، وہ اڑتی ہو گی اپنی گاڑی تک پہنچی اور جھٹ سے دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔ اسکے دل کی دھڑکنیں ابھی بھی بے ربط تھیں۔

"اوہ مائی گاڈ، بہت رش تھا آج۔" ٹینا بیگم بھی اسکے پیچھے ہی گاڑی تک پہنچ گئیں، انہوں نے بڑی مشکل سے لی ہوئی چادر لاپرواہی سے اتار کر سیٹ پر پھینکی اور منرل واٹر کی بوتل کھول کر پانی پینے لگیں۔

"کون سی دعا کرنے آئیں تھیں آپ۔۔" شہر زاد نے ہلکی سی ناگواری سے اپنا بیگ کھول کر سن گلاسز نکالے۔

"رومی کی مینٹل کنڈیشن میں بہتری لانے کی۔۔۔" انہوں نے ڈرائیور کو گاڑی چلانے کا اشارہ کیا۔

"واٹ۔۔۔؟" شہر زاد کو جھٹکا لگا اور وہ مڑ کر مام کا چہرہ حیرانگی سے دیکھنے لگی۔

http://paksociety.com

http://paksociety.com

پاک سوسائٹی پر مُوجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

"مجھے یقین ہے، اسکا دل میری طرف پلٹ آئے گا، ماں ہوں میں اسکی، دل دکھتا ہے میرا اسکی حالت دیکھ کر۔" ٹینا بیگم کی آواز بھرا گئی۔

"آپ کو اسے کسی اور اچھے سائیکاٹرسٹ کو دیکھانا چاہیے۔۔۔" شہر زاد نے محتاط انداز میں مشورہ دیا۔

"وہ کہیں نہیں جائے گی میرے ساتھ۔" ان کی صاف گوئی میں دل دکھاتی رنجیدگی شامل تھی۔

"اوکے، میں کوشش کر کے دیکھتی ہوں۔۔" شہر زاد نے مام کو دلاسا دینے کے لیے نرمی سے ان کا ہاتھ پکڑا، لیکن انہوں نے اس بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ وہ دونوں جیسے ہی گھر پہنچیں تو ایک اعصاب شکن مرحلہ ان کا منتظر تھا۔ گیٹ سے پورچ کی طرف جانے والی روش پر دو بڑے سرخ رنگ کے گملے ٹوٹے ہوئے پڑے تھے اور مالی منہ بناتے ہوئے سارا کچرا سمیٹ رہا تھا۔

"یہ کس نے توڑے ہیں۔۔۔؟" ٹینا بیگم اپنی گاڑی کا شیشہ نیچے کر کے مالی پر برسیں

"ہارون صاحب نے۔۔۔" مالی نے ہلکا سا جھک کر جواب دیا۔

"اس باسٹرڈ کا دماغ خراب ہے کیا، آج پھر کچھ چڑھا آیا ہو گا احمق انسان۔" ٹینا بیگم سلگ کر بولیں جبکہ شہر زاد ایک متاسفانہ سانس بھر کر رہ گئی، اسکی مام کے اس شوہر کے ساتھ ایک سرسری سی ملاقات ہوئی تھی لندن میں اور وہ اسے پہلی ہی نظر میں اچھے نہیں لگے تھے۔

"اللہ نے بھی چن چن کر نمونے لکھ دیئے ہیں میری قسمت میں۔۔۔" ان کے چہرے کے زاویئے بگڑے۔ بیزار انداز سے پائوں جانب بڑھیں اور شہر زاد کو بھی مجبوراً ان کی پیروی کرنی پڑی۔ ٹینا بیگم نے جیسے ہی لائونج میں قدم رکھا، ہارون چٹختی ہوئیں وہ اندر کی رضا مشتعل انداز میں ان کی جانب لپکے، وہ شہر زاد کی موجودگی سے بے خبر تھے۔ ویسے بھی ٹینا بیگم کی موجودگی میں ان کا سارا دھیان انہی کی طرف رہتا تھا۔ بلائو اپنی اس گندی اولاد کو، جس نے پورے شہر میں بے غیرتی اور بے حیائی کی ایک داستان رقم کر دی ہے۔" ہارون رضا نے ہاتھ میں پکڑا پیپسی کا ٹن پیک بڑے غصّے سے دروازے کی طرف اچھالا جو شہر زاد کے عین قدموں میں آن گرا۔

http://paksociety.com

"کس کو رومیصہ کو۔۔۔؟" ٹینا بیگم کا دل دھک کر کے رہ گیا۔ ابھی تو انہیں مزار پر چڑھاوا چڑھائے ہوئے دو گھنٹے بھی نہیں ہوئے تھے۔

"ظاہر ہے، وہی تو ہے جس نے تمہارا سکون برباد کرنے کی قسم کھا رکھی ہے۔" وہ بیزاری سے گویا ہوئے۔

"کیا، کیا ہے اس نے۔۔۔؟" ٹینا بیگم کی آواز قدرے مدھم ہوئی۔

"دیکھو ذرا، اپنی ولگر (بے حیا) بیٹی کا کارنامہ۔۔۔" ہارون رضا، شہر زاد کی موجودگی سے بے خبر اپنے ہاتھ میں پکڑی ٹیب پر تیزی سے انگلیاں چلانے لگے۔ شہر زاد کو اپنی بہن کے لیے ہارون کا جملہ اور لہجہ سخت بُرا لگا لیکن وہ مصلحتاً خاموش رہی۔

"کچھ پتا بھی تو چلے، کیا دیکھانا چاہ رہے ہیں آپ۔۔۔؟" ٹینا بیگم کے ضبط کا پیمانہ لبریز ہوا۔

"وہ دیکھائوں گا، جسے دیکھ کر ہوش اڑ جائیں گے تمہارے اور اگلے کئی سال تک تم دنیا والوں سے منہ چھپاتی پھرو گی۔" ہارون رضا کے متنفر لہجے میں کچھ تھا جو شہر زاد کا دل بھی دہلا گیا۔ وہ بھی چند قدم آگے بڑھ آئی۔ ٹینا بیگم کی نظر ٹیب پر کھلے فیس بک کے پیج پر پڑی اور ان کا دماغ بھک کر کے اڑ گیا، وہ لبوں پر ہاتھ رکھ کر خوفزدہ انداز میں ایسے پیچھے ہٹیں، جیسے کوئی بہت بڑا عفریت دیکھ لیا ہو۔

☆☆☆☆☆☆

جاری ہے

آپکی قیمتی رائے کا انتظار رہے گا۔۔

http://paksociety.com